دار العلوم کراچی کا ترجمان

ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ جنوری ۱۹۸۶ء

بانی

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ

* نگراں:

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی

* مدیر:

محمد تقی عثمانی

* ناظم:

فاروق القاسمی ایم اے (عثمانیہ)

سالانہ بدل اشتراک: بیرون ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک و رجسٹری

● ریاست ہائے متحدہ امریکہ /۲۱۰ روپے ● برطانیہ۔ جنوبی افریقہ۔ ویسٹ انڈیز۔ برما۔ انڈیا۔ بنگلہ دیش۔ تھائی لینڈ۔ ہانگ کانگ

نائیجیریا۔ آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ /۱۶۰ روپے ● سعودی عرب۔ عرب امارات۔ مسقط۔ بحرین۔ عراق۔ ایران۔ مصر۔ کویت / ۱۳۰ روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ "البلاغ" دارالعلوم کراچی ۱۴ فون نمبر: ۳۱۱۲۱۷

پبلیشر: محمد تقی عثمانی۔ دارالعلوم کراچی ۱۴ پرنٹر: مشہور آفسٹ پریس کراچی

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذکر و فکر :

حمد وستائش اس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود وسلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

(دوسری قسط)

نائب صدر سپریم کورٹ کی طرف سے ظہرانہ:

۷ نومبر کی دوپہر بارہ بجے چینی سپریم کورٹ کے نائب صدر مسٹر رین جیانگزن (REN JIANXIN) نے وفد کے اعزاز میں ظہرانہ کا اہتمام کیا تھا۔ پاکستان کی طرح چین میں بھی سپریم کورٹ (جسے سپریم پیپلز کورٹ کہتے ہیں) ملک کی اعلیٰ ترین عدالت ہے، اور مسٹر رین جیانگزن اس کے نائب صدر ہیں، جن کی حیثیت نائب چیف جسٹس کی ہے، اور وہ صدر سپریم کورٹ کے بعد عدالت کے سب سے سینئر جج ہیں۔

اس دعوت کا اہتمام مسٹر جیانگزن نے بیجنگ کے ایک ممتاز اسلامی ریسٹورنٹ میں کیا تھا، انہوں نے اپنی مختصر خیر مقدمی تقریر میں کہا کہ چین اور پاکستان کے درمیان زندگی کے مختلف شعبوں میں تعاون اور وفود کے تبادلوں کا سلسلہ جاری، بلکہ روز افزوں ہے، لیکن عدلیہ کی سطح پر باہمی ملاقاتوں اور وفود کے تبادلوں کی بہت کمی ہے، اس مرتبہ ہمیں خوشی ہے کہ علمائے کے اس خیر سگالی وفد کی قیادت پاکستانی عدلیہ کے ایک رکن کر رہے ہیں، لہٰذا ہم نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اس ملاقات کا اہتمام کیا ہے، تاکہ دونوں ملکوں کی عدلیہ کے درمیان روابط کا ایک اچھا آغاز ہو۔

احقر کی مختصر جوابی تقریر کے بعد اُن سے چین کے نظامِ عدل کے بارے میں دلچسپ گفتگو رہی، چین کے عدالتی نظام سے متعلق جو قابلِ ذکر امور اُن سے معلوم ہوئے، ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) چین میں عدالتوں کی چار سطحیں ہیں:
(الف) بنیادی عوامی عدالتیں (جو ہمارے ملک کے مجسٹریٹ کی عدالتوں کے مشابہ ہیں، لیکن براہِ راست عدلیہ کے ماتحت ہیں، انتظامیہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں)۔ یہ عدالتیں کاؤنٹیوں، اور اضلاع کی سطح پر قائم ہیں۔
(ب) پریفیکچروں (ڈویژنوں)، مرکزی حکومت کے تحت بلدیات کی انٹرمیڈیٹ عوامی عدالتیں۔ (جو ہمارے عدالتی نظام کی سول اور سیشن عدالتوں کے مشابہ ہیں)
(ج) صوبوں کی عدالت ہائے عالیہ۔
(د) سپریم پیپلز کورٹ۔
ان کے علاوہ کچھ خصوصی عدالتیں خاص قسم کے مقدمات کے تصفیہ کیلئے بھی قائم ہیں۔

(۲) عدالتِ عظمیٰ (سپریم پیپلز کورٹ) تمام مقامی اور خصوصی عدالتوں کی نگرانی کرتی ہے، اور اپنا اصلی (ORIGINAL) اور اپیلیٹ (APPELLATE) اختیار سماعت بھی قانون کے مطابق استعمال کرتی ہے۔

(۳) دیوانی مقدمات میں چینی عدالتیں باقاعدہ مقدمے کی کارروائی سے قبل مصالحتی کارروائیوں پر بہت زور دیتی ہیں۔ اس غرض کیلئے ملک بھر میں نو لاکھ اناسی ہزار سے زائد "عوامی مصالحتی کمیٹیاں" قائم ہیں جن میں ینتالیس لاکھ چھہتر ہزار افراد ثالثی کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ یہ افراد کارخانوں، کانوں، دیہات اور مختلف محلّوں میں تعینات ہیں، اور ان کی ہر ممکن کوشش یہ ہوتی ہے کہ تنازعے کو عدالت تک پہنچنے سے پہلے باہمی گفت و شنید سے ختم کر دیا جائے۔
اس کے علاوہ عدالت بھی پہلے مرحلے میں فریقین کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کرتی ہے، اس غرض کے لئے بسا اوقات جج کو کمرۂ عدالت سے باہر فریقین سے بات چیت کرنی پڑتی ہے، اور بعض اوقات جج خود فریقین کے رہائشی مقامات پر جاکر دوسرے عوام کی مدد سے فریقین کے درمیان مفاہمت کرانے کی کوشش کرتا ہے جس کے نتیجے میں بسا اوقات مصالحت ہو جاتی ہے، اور تنازعہ ختم ہو جاتا ہے، لیکن اگر مصالحت کی کارروائی ناکام ہو جائے تو پھر باقاعدہ مقدمے کی قانونی کارروائی کر کے فیصلہ کیا جاتا ہے۔

(۴) عدالتی کارروائی کا طریق کار دو فریقی نظام (adveasary System) کے بجائے تفتیشی نظام (Enquisitorial System) سے قریب تر ہے، چنانچہ جج صرف فریقین کے بیانات اور دلائل سُننے پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ مقدمے کی کارروائی کو تحقیقِ واقعات کیلئے استعمال کرتا ہے، چنانچہ گواہوں سے واقعے کے بارے میں خود بھی بکثرت سوالات کرتا ہے، ضرورت کے مواقع پر اضافی شہادتیں (Additinal Evidence

طلب کر کے ان کے بیانات ریکارڈ کرتا ہے، اور فوجداری مقدمات میں بوقت ضرورت جائے واردات پر جاکر اس کا معائنہ بھی کرتا ہے۔

(۴) احقر نے سوال کیا کہ یہاں اعلیٰ عدالتوں کو رِٹ کا اختیار سماعت (-Jurisdiction of Writs) بھی حاصل ہے؟ اولاً ان حضرات نے "رِٹ" کی اصطلاح سے ناواقفیت کا اظہار کیا، پھر جب احقر نے اس کی تشریح کی تو انہوں نے جزوی طور پر ایسے اختیار سماعت کا اقرار کیا، لیکن ان کے جواب سے احقر کا تأثر یہی تھا کہ رِٹ کا جو مفہوم اور طریق کار ہمارے ملک میں رائج ہے، وہاں اس تفصیل کے ساتھ اس کا تصور موجود نہیں ہے۔

(۵) ملک میں فوجداری مقدمات کی تعداد دیوانی مقدمات کے مقابلے میں زائد ہے، اور فوجداری مقدمات میں بھی چوری کے مقدمات کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

مسٹر جیانگ ژن باوقار اور شگفتہ انسان ہیں، اور دوسرے جج صاحبان کی مدد سے ہمارے سوالات کا اطمینان، بے تکلفی اور شگفتگی کے ساتھ جواب دیتے رہے، قانونی اصطلاحات کی وجہ سے ہمارے چینی ترجمان مسٹر خوین نے درخواست کی تھی کہ آپ اگر ان سے انگریزی میں گفتگو کریں تو زیادہ بہتر ہے، تاکہ ترجمانی کی مشکلات پیدا نہ ہوں، چنانچہ یہ گفتگو بیشتر انگریزی میں ہی ہوتی رہی، مسٹر جیانگ ژن کچھ دیر انگریزی میں جواب دیتے رہے، لیکن پھر انہوں نے عدالت کے ایک ترجمان کی مدد لی، جو انگریزی زیادہ روانی سے بول سکتا تھا، چنانچہ باقی گفتگو ان کی وساطت سے ہوئی۔

یہاں سے ہمیں صوبہ کانسو کے دورے کیلئے ڈیڑھ بجے ایئرپورٹ روانہ ہونا تھا، اسلئے میزبانوں نے بھی ہر کام میں وقت کے اختصار کا خاص خیال رکھا، اور ٹھیک ڈیڑھ بجے بڑے تپاک کے ساتھ ہمیں رخصت کر دیا۔

صوبہ کانسو کا سفر:

چین میں سب سے زیادہ مسلمان صوبہ سنکیانگ میں آباد ہیں، اس لئے قدرتی طور پر ہمیں وہاں جانے کی خواہش تھی، لیکن چونکہ ہمارے قیام چین کی مدت مختصر تھی، اس لئے ہماری میزبان تنظیم نے دو وجہ سے سنکیانگ کے بجائے صوبہ کانسو اور صوبہ چھینگ ہائی کا پروگرام رکھا، اول تو اس لئے کہ مسلم ممالک سے جو وفود آتے ہیں، وہ بار بار سنکیانگ کا دورہ کر چکے ہیں، لیکن کانسو اور چھینگ ہائی میں اب تک کوئی باقاعدہ وفد نہیں گیا، حالانکہ ان دونوں صوبوں میں بھی مسلمانوں کی بڑی تعداد آباد ہے۔ دوسرا اسلئے کہ سنکیانگ میں شدید سردی شروع ہو چکی تھی، اور برف باری کی وجہ سے وہاں کی پروازیں بھی مشکوک ہو گئی تھیں، پچھلی مرتبہ ایک پاکستانی وفد سنکیانگ میں موسم کی خرابی کی بنا پر پھنسا رہا تھا۔

ہم ۷ نومبر کو سپریم کورٹ کی ضیافت سے فارغ ہو کر نکلے تو آسمان ابر آلود تھا، اور ہلکی ہلکی بارش

اور تیز ہواؤں کے سبب درجۂ حرارت نقطۂ انجماد کے قریب پہنچا ہوا تھا، ایئر پورٹ پہنچے تو موسم کی خرابی کی بنا پر تمام پروازیں معطل تھیں، اس لئے تقریباً دو گھنٹے وی آئی پی لاؤنج میں انتظار کرنا پڑا۔ اس سفر میں پاکستانی سفارت خانے کے سیکنڈ سیکریٹری مسٹر حسن جاوید بھی ہمارے وفد کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، جو ایک فعال اور باخبر نوجوان ہیں، اور چینی زبان بڑی روانی سے بولتے ہیں، نیز چائنا مسلم ایسوسی ایشن کے ڈپٹی سیکریٹری جنرل جناب سلیمان بطور میزبان ہمارے ساتھ تھے۔

تقریباً ساڑھے چار بجے ہم چائنا ایئر لائنز کے ٹرائڈنٹ طیارے میں سوار ہوئے، اور تقریباً پونے دو گھنٹے کی پرواز کے بعد کانسو کے دارالحکومت لانچو پہنچے۔ اترنے سے پہلے پائلٹ نے اعلان کیا کہ زمین پر درجۂ حرارت صفر سے ۴ سینٹی گریڈ کم ہے۔ طیارے سے باہر نکلے تو شدید برفانی ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے، لیکن ایپرن پر استقبال کرنے والے ہجوم کی گرمجوشی نے موسم کی شدت کو بھلا دیا۔ وی آئی پی لاؤنج میں مغرب کی نماز ادا کر کے ہم شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں شہر ایئر پورٹ سے ۶۰ کیلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے، اس لئے شہر پہنچتے پہنچتے ایک گھنٹہ سے زائد وقت صرف ہوا۔

لانچو صوبہ کانسو کا دارالحکومت اور چین کا مشہور صنعتی شہر ہے، جو شہرۂ آفاق دریائے زرد کے دونوں طرف آباد ہے۔ دریائے زرد چین کا دوسرا طویل ترین دریا ہے، اس کی کل لمبائی پانچ ہزار چار سو تریسٹھ کلو میٹر ہے، اور اس کے طاس کا رقبہ سات لاکھ چھپن ہزار چار سو تینتالیس مربع کیلو میٹر ہے۔ یہ دریا صوبہ چھینگ ہائی میں کوہ پایان ہار کی شمالی سمت سے نکلتا ہے، اور متعدد صوبوں سے گذرتا ہوا شان تونگ کے علاقے میں بحیرۂ پوھائی کے اندر جا گرتا ہے۔ دریائے زرد کی وادی چین کی تہذیب و ثقافت کا گہوارہ رہی ہے، اسلئے اسے "گہوارۂ چین" کہا جاتا ہے۔

اس دریا کو دریائے زرد اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں دنیا کے تمام دریاؤں کی نسبت زیادہ گاد ہوتی ہے۔ یہ ہر سال ایک ارب ساٹھ کروڑ ٹن گاد بہا کر زیریں وادی تک لاتا ہے، جہاں اس کا بہاؤ سست ہو جاتا ہے، اور تہہ میں کیچڑ جمع ہوتی رہتی ہے، اس کیچڑ اور گاد کی وجہ سے دریا اتنا اٹھا ہو گیا ہے کہ کناروں پر اونچے اونچے پشتے تعمیر کئے گئے ہیں، اور یہ سطح زمین سے بلند دریا بن گیا ہے۔

دریائے زرد میں اکثر و بیشتر سیلاب آجاتا تھا جس کی بنا پر بڑی تباہی مچتی تھی، اور کہا جاتا ہے کہ اس دریا نے تاریخ میں چھبیس مرتبہ اپنا رُخ تبدیل کیا جس کے نتیجے میں چینی عوام کو بڑے مصائب اُٹھانے پڑے، یہاں تک کہ اس کا لقب "چین کا ناسور" مشہور ہو گیا۔ بالآخر حکومت نے اس کی بالائی اور وسطی وادیوں میں تذخیر آب کے بڑے بڑے منصوبے تعمیر کئے ہیں، اور زیریں وادیوں میں پشتوں کو مستحکم کیا ہے، جس کے نتیجے میں اس دریا سے ہونے والی تباہ کاریاں بہت کم ہو گئی ہیں۔

صوبہ کانسو کی کُل آبادی ایک کروڑ نوے لاکھ ہے، جس میں بارہ لاکھ مسلمان ہیں، اور پورے صوبے میں تقریباً بارہ سو مسجدیں ہیں۔ اور اس صوبے کے دارالحکومت لانچو کی آبادی بارہ لاکھ ہے مسلمان

کی تعداد ستر ہزار ہے، اور بڑی مسجدیں پچاس سے زائد ہیں، یہاں کی مرکزی مسجد میں جو دریائے زرد کے کنارے واقع ہے، دینی تعلیم اور ائمہ کی تربیت کا ایک مدرسہ بھی ہے جس میں وہی پانچ سالہ نصاب پڑھایا جاتا ہے جو بیجنگ کے مدارس میں مروج ہے، اس مسجد کے امام اور مدرسے کے سربراہ شیخ یونس یاں سن ایک نورانی صورت بزرگ ہیں، بے تکلف کے ساتھ عربی بول لیتے ہیں، اور وضع قطع سے لیکر انداز و ادا تک میں سلفِ صالحین کا نمونہ ہیں۔ وہ صوبہ کانسو کی چائنا مسلم ایسوسی ایشن کے صدر بھی ہیں، اور صوبہ کانسو کے پورے سفر میں ہمارے ساتھ بلکہ احقر ہی کی کار میں تشریف فرما رہے۔ اور اثناءِ سفر ان سے بہت سی معلومات حاصل ہوئیں، وہ بہت سے فقہی مسائل پر بھی گفتگو کرتے رہے۔

انہوں نے بتایا کہ بفضلہٖ تعالیٰ اب چین میں مسلمانوں کی حالت بہت بہتر ہے، جس پر مسلمان بہت خوش ہیں۔ احقر کے بار بار کے سوالات کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ یہاں علماء کا اصل مسئلہ اسلامی کتب کی کمی ہے، انہوں نے بتایا کہ میرے پاس حدیث میں صرف "مشکوٰۃ" اور "اللؤلؤ والمرجان" ہے، اور حدیث کی کوئی شرح موجود نہیں، فقہ میں صرف شرح وقایہ اور "رد المحتار" ہے، کوئی اور کتاب موجود نہیں ہے۔

انہی سے یہ افسوسناک بات بھی معلوم ہوئی کہ یہاں مسلمانوں کے درمیان بعض نظریاتی، فقہی اور کلامی مسائل میں فرقہ بندی اور تنازعہ بھی موجود ہے، مثلاً "استواء علی العرش" کی حقیقت، مسئلہ رفع یدین، مولود کا جواز اور عدم جواز وغیرہ۔ افسوس اس بات سے ہوا کہ ایک ایسے ملک میں جہاں مسلمانوں کا اصل مسئلہ اپنے دین و ایمان کا تحفظ اور اپنی آئندہ نسلوں کی تربیت ہے، وہاں اس قسم کے مسائل پر بحث و مباحثہ ہوتا رہتا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ یہ مسائل حال ہی میں کسی نے اس علاقے میں کھڑے کئے ہیں، ورنہ یہاں کے مسلمان، جو سو فیصد حنفی ہیں، اس سے قبل سیدھے سادے طریقے سے اپنے دین پر عمل کرتے چلے آرہے تھے۔ مسلمانوں کے درمیان ایسے مسائل کھڑے کر کے ان کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے والوں کے حق میں دعائے ہدایت کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ انہیں عقلِ سلیم اور فکرِ مستقیم عطا فرمائے، آمین۔

تقریباً آٹھ بجے رات ہم شہر لانچو میں داخل ہوئے، یہاں ایک مقامی ہوٹل میں ہماری رہائش کا انتظام کیا گیا تھا، اسی ہوٹل کے کمرۂ ملاقات میں صوبہ کانسو کے نائب گورنر جناب شریف نیا صاحب جو ایک ہنس مکھ مسلمان ہیں، وفد سے ملاقات کیلئے تشریف لائے، اُن سے تھوڑی دیر وہیں گفتگو رہی اُس کے بعد اسی ہوٹل کے مطعم میں انہوں نے وفد کے اعزاز میں عشائیہ دیا۔ اس عشائیہ میں شہر کے دوسرے معززین بھی شامل تھے، جن میں جناب حبیب اللہ ماسولین، شیخ یونس یاں سن، اور لانچو کی مساجد کے ائمہ حضرات بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

جناب شریف نیا صاحب (نائب گورنر صوبہ کانسو) عشائیہ کے دوران بار بار حکومتِ پاکستان کا شکریہ ادا کرتے رہے کہ اس نے چینی مسلمانوں کے حج کا انتظام کیا، انہوں نے آئندہ سال خود بھی حج کیلئے جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ وہ کھانے کے دوران صوبہ کانسو میں مسلمانوں کے حالات بیان کرتے رہے۔ رات گیارہ بجے

کے قریب یہ دلچسپ نشست برخاست ہوئی۔

لن شا کا سفر:

صبح سویرے ہم صوبہ کانسو کے ایک اور شہر لن شا کیلئے روانہ ہوئے۔ یہ اپنے پریفیکچر (ڈویژن) کا صدر مقام ہے، اور کاروں کے ذریعے لانچو سے اس شہر کا راستہ تقریباً پانچ گھنٹے کا ہے۔ لانچو سے شیخ یونس یان سین (صدر صوبائی چائنا مسلم ایسوسی ایشن) اور جناب حبیب اللہ ماسولین (نائب صدر صوبائی سیاسی مشاورتی کمیٹی) اور ایک اور نائب صدر یوسف ماتن بھی ساتھ ہوگئے، اس طرح پانچ کاروں اور ایک ویگن کا یہ قافلہ سڑک کے ذریعے لانچو سے روانہ ہوا۔ یہ راستہ زیادہ تر پہاڑی علاقوں سے گذرتا تھا، سردی شدید مگر خوشگوار تھی، درجۂ حرارت صفر سے بھی کافی نیچے گرا ہوا تھا، اور جابجا پہاڑوں پر اور وادیوں میں برف پڑی ہوئی تھی۔ تقریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد ہم نے ایک دریا (دریائے تھاؤخہ) عبور کیا تو سامنے چند جیپیں اور ایک ہجوم کھڑا نظر آیا، جس نے اشارے سے ہماری گاڑیاں رکوائیں۔

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لن شا شہر کے لوگ ہیں، چونکہ دریائے تھاؤخہ کے پار لن شا پریفیکچر (ڈویژن) کی حدود شروع ہوتی ہیں، اس لئے یہ اپنے ڈویژن کی حد پر وفد کا استقبال کرنے آئے ہیں، ان لوگوں میں لن شا ڈویژن کے کمشنر، ڈپٹی کمشنر، محکمۂ مذاہب کے اعلیٰ افسران، اور لن شا کی مساجد کے ائمہ وخطباء حضرات شامل تھے، یہاں سے لن شا شہر تقریباً تین گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے، اور ان حضرات کے اس وقت یہاں موجود ہونے کا مطلب یہ تھا کہ یہ طلوعِ فجر سے کافی پہلے سخت سردی میں جیپوں کے ذریعہ وہاں سے روانہ ہوئے ہونگے۔ ان کی اس گرمجوش محبت نے بڑا تاثر کیا۔ زبان نہ جاننے کی بنا پر ان حضرات سے براہِ راست گفتگو ممکن نہ تھی، لیکن ان کے چہروں سے جو محبت اور جو خلوص ہویدا تھا، وہ الفاظ کی ترجمانی سے ماوراء تھا۔ کاروں سے اتر کر ان حضرات سے بغلگیر ہونے اور زبانوں کے اختلاف کے باوجود گرمجوشی کے ساتھ "السلام علیکم" کا واحد مشترک جملہ ادا کرنے کا منظر بڑا پُرکیف تھا۔

یہاں سے ہمارے قافلے میں تین جیپوں کا اضافہ ہوگیا، اور اب آٹھ گاڑیوں کا یہ کارواں جس میں سب سے آگے ڈویژنل کمشنر کی گاڑی پائلٹ کے فرائض انجام دیتی ہوئی چل رہی تھی، جس بستی سے گذرتا وہاں عوام کی ایک بڑی تعداد اسے دیکھنے کے لئے جمع ہوجاتی، اور ان عوام میں اکثر کے سروں پر گول ٹوپیاں اس بات کی علامت تھیں کہ یہ لوگ مسلمان ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کو پاکستانی وفد کی آمد کی اطلاع کسی طرح ہوچکی تھی، اس لئے جہاں سے ہمارا قافلہ گذرتا، لوگ کھڑے ہو ہو کر اس کا خیر مقدم کرتے تھے۔

لن شا پریفیکچر صوبہ کانسو کا وہ ڈویژن ہے جس میں آبادی کی اکثریت مسلمان ہے، اس لئے اس ڈویژن کو "چین کا مکہ" کہا جاتا ہے۔ اس ڈویژن میں کل آبادی ۳ر۱۴ لاکھ ہے، جس میں مسلمانوں کی

تعداد ۵ء۱۷ لاکھ بتائی جاتی ہے، گویا ۵۲ فیصد مسلمان ہیں، اور صرف اس ڈویژن میں مساجد کی تعداد ۵۱۷۱ ہے، لیکن احقر کا اندازہ یہ ہے کہ مذہب کی بنیاد پر مردم شماری نہ ہونے کی وجہ سے یہ اعداد و شمار پوری طرح صحیح نہیں ہوں گے، اور غالباً یہاں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۵۲ فیصد سے کافی زیادہ ہوگا۔ اس لئے کہ راستے میں جتنے دیہات ہمارے سامنے آئے، اُن میں ہر جگہ مسلمانوں کی تعداد بہت نمایاں محسوس ہوئی۔

جہاں تک مردوں کا تعلق ہے، ان میں مسلمانوں کی شناخت تو ٹوپی سے بآسانی ہوجاتی ہے، اس کے علاوہ عورتوں میں مسلمانوں کی شناخت اس طرح ہوتی ہے کہ مسلمان عورتیں اپنے سروں پر اوڑھنیاں باندھتی ہیں۔ برقع اور نقاب وغیرہ کا تصور تو یہاں موجود نہیں ہے، لیکن دیہات میں سروں پر اوڑھنیوں کی خاصی شدت سے پابندی کی جاتی ہے، اور ان اوڑھنیوں میں بھی ان خواتین نے ایسی تقسیم کر رکھی ہے جو کسی اور خطے میں کبھی نظر نہیں آئی۔ یہاں قاعدہ یہ ہے کہ کنواری لڑکیاں سر پر سبز اوڑھنیاں باندھتی ہیں، شادی شدہ اور ادھیڑ عمر عورتیں سیاہ اوڑھنیاں استعمال کرتی ہیں، اور بوڑھیاں سفید اوڑھنیاں۔ عموماً جب کسی عورت کے یہاں پوتا یا نواسا پیدا ہوجاتا ہے تو وہ سیاہ اوڑھنی کے بجائے سفید اوڑھنی استعمال کرنا شروع کردیتی ہے۔ سڑکوں پر سبز اوڑھنی والی لڑکیاں بہت کم نظر آئیں، زیادہ تر سیاہ اور سفید اوڑھنیاں دکھائی دیں، غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ کنواری لڑکیوں کو عام طور پر گھر سے باہر نہیں نکالا جاتا۔

بہرکیف! مردوں میں ٹوپیوں سے اور عورتوں میں اوڑھنیوں سے اس بات کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے کہ اس علاقے میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

راستے کے دیہات میں متعدد مسجدیں نظر آتی رہیں، لیکن میزبانوں نے راستے کی ایک بستی میں جوکھان لوکا ڈسٹی کا ایک گاؤں تھا، تقریباً نصف گھنٹے ہمارے قیام کا پروگرام رکھا تھا۔ جونہی ہماری گاڑیاں اس گاؤں میں داخل ہوئیں، سڑک پر مسلمانوں کی دورویہ کھڑی ہوئی قطاروں نے بیک آواز "السلام علیکم" کا نعرہ بلند کیا۔ یہاں سینکڑوں مسلمان نہ جانے کب سے اس قافلے کے منتظر کھڑے تھے، اور جب ہم کاروں سے اُترے تو ہر شخص مصافحہ کرنے اور بغلگیر ہونے کے لئے دوسروں سے آگے بڑھ جانے کی فکر میں تھا۔ ان حضرات کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے، اور ان پر وہ بیتابی صاف پڑھی جاسکتی تھی جو اظہارِ محبت و مسرت کا مناسب طریقہ میسر نہ آنے سے پیدا ہوتی ہے۔

یہ ایک چھوٹا سا پسماندہ اور دور افتادہ گاؤں تھا جس کی آبادی شاید آٹھ دس ہزار سے زائد نہ ہوگی، گاؤں کے بیشتر مکانات خستہ حال، راستے کچے اور جابجا کیچڑ سے بھرے ہوئے، اور باشندے زیادہ تر غریب ہیں، لیکن اس میں دو بڑی خوبصورت اور کشادہ مسجدیں ہیں۔ پہلے یہ دونوں مسجدیں چھوٹی سی تھیں، ابھی ڈیڑھ دو سال کے دوران انہیں پختہ تعمیر کیا گیا ہے، امام صاحبان نے بتایا کہ یہاں چھوٹے مدرسے بھی قائم ہیں جن میں قرآن کریم اور ابتدائی دینیات کی تعلیم ہوتی ہے، نوجوان طلبہ میں سے بیشتر نے

سروں پر بڑے خوبصورت سفید عمامے باندھے ہوئے تھے۔

چونکہ یہ جمعہ کا دن تھا، اور ہمیں نماز لن شا شہر میں ادا کرنی تھی، اس لئے اس گاؤں میں مختصر قیام اور دونوں مسجدوں میں تھوڑی تھوڑی دیر رُکنے کے بعد ہم دوبارہ سفر پر روانہ ہو گئے۔

لن شا کی جامع مسجد میں جمعہ:

برف پوش پہاڑیوں پر اترتے چڑھتے ہم دوپہر کے ایک بجے سے ذرا پہلے لن شا شہر میں داخل ہوئے۔ یہاں قیام کا انتظام ایک صاف ستھرے سرکاری ریسٹ ہاؤس میں تھا، وضو کرتے ہی ہم جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کیلئے روانہ ہوئے۔ یہ جامع مسجد شہر کے بالکل مرکزی چوک کے کنارے واقع تھی۔ ہمارا قافلہ یہاں پہنچا تو لوگوں کے جوش و خروش کا عالم قابل دید تھا۔ مسجد کے کافی دُور سے مسلمانوں نے دو رویہ قطاریں بنائی ہوئی تھیں، بہت سے لوگ آس پاس کی دیواروں اور عمارتوں پر چڑھے ہوئے تھے، مسجد کا صحن، برآمدہ اور اندرونی ہال ماشاء اللہ نمازیوں سے بھرا ہوا تھا۔

جمعہ سے پہلے مسجد کے امام صاحب نے چینی زبان میں مختصر تقریر کی، اس کے بعد احقر کی تقریر ہوئی جس کا چینی ترجمہ پاکستانی سفارت خانے کے سیکنڈ سیکریٹری مسٹر حسن جاوید نے کیا، جو بیجنگ سے سفر میں ہمارے ساتھ تھے۔ احقر نے منبر سے دیکھا تو مسجد ماشاء اللہ نمازیوں سے بھری ہوئی تھی، اور کہیں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی، دروازوں اور سیڑھیوں پر بھی آدمی تھے، اور سامنے کی سڑک تک نکلے ہوئے تھے۔ محتاط اندازے کے مطابق مجمع سات آٹھ ہزار کے لگ بھگ ہوگا۔ احقر نے اپنی تقریر میں ان مسلمانوں کو اپنے دین و ایمان کے تحفظ اور اس دور افتادہ علاقے میں شمع اسلام فروزاں رکھنے پر مبارکباد پیش کی، پاکستان کے عوام کی طرف سے انہیں پیغامِ محبت پہنچایا، اور اس بات پر زور دیا کہ وہ ایمان کی اس مقدس امانت کو اپنی آئندہ نسلوں تک بحفاظت پہنچانے کیلئے دینی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دیں۔

احقر کے بعد جناب مفتی محمد حسین نعیمی صاحب نے بھی مختصر تقریر میں چینی مسلمانوں کے جذبے کو خراجِ تحسین پیش کیا، اور اپنے مشاہدات و تاثرات بیان فرمائے۔

اس کے بعد امام صاحب نے عربی میں خطبہ دیا، خطبہ فصیح عربی زبان میں تھا، اور امام صاحب کے اندازِ قراءت سے واضح تھا کہ وہ خطبے کا مفہوم سمجھ کر ادا کر رہے ہیں۔

احقر کو شیخ یونس یان حسن نے بتایا تھا کہ اس علاقے کے مسلمان جمعہ کے بعد سنتوں کے علاوہ "احتیاط الظہر" کی چار رکعتیں پڑھنے کے عادی ہیں، چنانچہ جماعت کے بعد مسجد سے نکلنے میں خاصی دیر لگی، کیونکہ اکثر لوگ جماعت کے بعد دس دس رکعتیں پڑھ رہے تھے۔ احقر نے شیخ یونس سے عرض کیا تھا کہ شرعاً "احتیاط الظہر" کی رکعتیں پڑھنا پسندیدہ نہیں ہے، اور لوگوں کو حکمت و تدریج کے ساتھ اس طرح یہ مسئلہ بتانے کی ضرورت ہے، جس سے کوئی خلفشار یا فتنہ پیدا نہ ہو، شیخ یونس کی فرمائش پر احقر نے انہیں اس

مسئلے کے متعلق فقہاء کرام کے حوالوں کی نشاندہی بھی کر دی تھی، جسے انہوں نے توجہ کے ساتھ سُنا، اسکے مطابق عمل کا ارادہ بھی ظاہر فرمایا۔

نماز جمعہ کے بعد پھر لوگ مصافحے اور معانقے کیلئے جمع تھے، اور مسجد کی محراب سے گاڑیوں تک پہنچنے میں کافی وقت لگا۔ جس محبت اور اخلاص کے ساتھ یہ حضرات مصافحے کر رہے تھے اس کے پیش نظر ہر شخص سے ہاتھ ملانے کو خود دل چاہتا تھا، خدا جانے کس اللہ کے بندے کے ہاتھوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمارے حالات کی اصلاح فرمادیں۔

جن صبر آزما حالات سے گذر کر ان حضرات نے اپنے دین وایمان کو بچایا ہے، ان کے پیش نظر ان کو ایمان کی حلاوت ہم سے کہیں زیادہ حاصل ہوگی۔ جب یہ خیال آتا تو ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ چومنے کو دل چاہتا تھا۔ ان حضرات کو شاید آج سے پہلے چین سے باہر کے کسی مسلمان وفد سے ملنے کا اس طرح موقع نہیں ملا تھا، اور سالہا سال کے بعد غالباً احقر پہلا غیر چینی مسلمان تھا جس نے اس جامع مسجد میں خطاب کیا، اس لئے ان حضرات کے جذبات محبت کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا۔

جمعہ کے بعد قیام گاہ پر دوپہر کا کھانا کھایا، جس کے فوراً بعد لن شا کی دوسری مساجد میں جانا تھا۔ یوں تو لن شا شہر میں کُل سولہ بڑی مسجدیں ہیں، لیکن یکے بعد دیگرے ان میں سے تین مزید مساجد میں حاضری کا اتفاق ہوا۔ ہر جگہ مسلمانوں کے خیر مقدم کا وہی منظر نظر آیا جو جامع مسجد میں دیکھا تھا۔ ان تینوں مسجدوں میں دینی تعلیم کا بندوبست بھی ہے۔ تینوں مسجدیں بڑی شاندار ہیں، اور حکومت کی امداد سے پچھلے ڈیڑھ دو سال میں تعمیر ہوئی ہیں۔

مساجد کے بعد میزبانوں نے ایک مقامی فیکٹری کے معائنے کا پروگرام رکھا تھا، یہ بڑی عظیم الشان فیکٹری ہے جس میں آواز اور عکس سے متعلق آلات اور مشینریاں تیار ہوتی ہیں۔ فیکٹری کے مختلف حصے کئی کیلومیٹر میں پھیلے ہوئے ہیں، یہاں مزائل کے ساتھ فِٹ ہونے والے کیمرے، چھوٹے بڑے ٹیپ ریکارڈر، ان اشیاء میں استعمال ہونے والی مشینری اور فاضل پُرزے تیار ہوتے ہیں۔ فیکٹری کے منیجر نے متعدد اشیاء دکھاتے ہوئے بتایا کہ یہ اشیاء چین ہی کی ایجاد ہیں، اور ابھی دُنیا میں کہیں اور پیدا نہیں ہوتیں۔

فیکٹری کے تکنیکی معیار کے بارے میں اظہار رائے تو کوئی ماہر فن ہی کر سکتا ہے، لیکن عامیانہ نظر سے یہ اپنے میدان کی بڑی معیاری فیکٹری نظر آتی ہے، اور جس چیز نے احقر کو بڑا متاثر کیا، وہ فیکٹری کی عمارت اور اس میں کام کرنے والوں کی سادگی تھی۔ عمارت ایسی ہے کہ باہر سے کوئی شخص یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ یہ کوئی عظیم الشان تکنیکی ادارہ ہوگا۔ پوری عمارت میں آرائش وزیبائش کی کوئی چیز نظر نہیں آئی، پُرانے طرز کی عمارت ہے جس کا فرش تک سادہ سیمنٹ کا ہے، دفاتر وغیرہ معمولی درجے کے ہیں لیکن اس میں صنعتی اور تکنیکی اعتبار سے کام بڑا عظیم الشان ہو رہا ہے، اور تمام مالی وسائل اس اصل کام پر

صَرف ہو رہے ہیں۔ کاش! کہ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کا یہ زریں اصول، جو درحقیقت اسلام کی تعلیم ہے، ہم بھی اپنانے کے قابل ہوسکیں۔

اس دن کا اختتام ایک خوبصورت پارک میں ایک استقبالیہ سے ہوا جو لن شا پریفیکچر کے کمشنر نے ہمارے وفد کے اعزاز میں دیا تھا۔ کمشنر اور ڈپٹی کمشنر دونوں مسلمان تھے، اور لن شا کی حدود کے آغاز سے ہمارے ساتھ تھے۔ یہاں ڈپٹی کمشنر نے بڑی پُرجوش اور محبت بھری تقریر کی۔ احقر نے بھی اپنی جوابی تقریر میں اپنے دورے کے تأثرات قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کئے، لیکن اس اعتراف کے ساتھ کہ محبت اور مسرت کے جو جذبات ہمارے دلوں میں موجزن ہیں، ان کے اظہار کے لئے ہمارے پاس موزوں الفاظ نہیں ہیں۔

مغرب کی نماز اسی پارک میں ادا کرنے کے بعد ہم قیام گاہ پر واپس آئے، اور عشاء کے بعد کھانے سے فارغ ہوئے تو طویل سفر اور مسلسل پروگراموں کی تھکن نے جلد ہی بستر کا رُخ کرنے پر مجبور کردیا۔

چھینگ ھائی کا سفر:

۹ نومبر کی صبح سویرے ناشتے کے بعد لن شا سے صوبہ چھینگ ہائی کے دارالحکومت شننگ کیلئے روانگی ہوئی۔ لن شا کے میزبان جن میں لن شا کے کمشنر اور ڈپٹی کمشنر، محکمۂ مذاہب کے ڈائریکٹر اور چائنا مسلم ایسوسی ایشن کے متعدد عہدہ دار شامل تھے، ہمارے اصرار کے باوجود ہمیں لن شا میں رخصت کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، ان کا اصرار تھا کہ ہم صوبہ کانسو کی آخری حدود تک وفد کو چھوڑنے کیلئے جائیں گے، چنانچہ وہ حضرات کانسو کی سرحد تک ہمارے ساتھ رہے۔

لن شا سے شننگ جانے کیلئے راستے میں کئی سر بفلک پہاڑ حائل ہیں جو آجکل برف سے ڈھکے ہوئے تھے، انہی میں سے ایک پہاڑ لاچی کہلاتا ہے، اور اس کی چوٹی اس علاقے کی بلند ترین چوٹی ہے، سطح سمندر سے اس کی بلندی ۳۵۶۰ میٹر ہے۔ یہ چوٹی ہی کانسو اور چھینگ ہائی کے صوبوں کے درمیان سرحد کا کام کرتی ہے۔ ابھی ہم اس چوٹی تک نہیں پہنچ پائے تھے، سڑک کے دونوں طرف پہاڑ تھے، اور دونوں پہاڑوں پر سڑک کے کناروں تک برف کی سفید چادر ڈھکی ہوئی تھی۔ کہ اس برفستان کی ایک درمیانی وادی میں کئی جیپیں اور کاریں اور ان سے باہر کھڑا ہوا ایک مجمع نظر آیا۔

یہ صوبہ چھینگ ہائی کے لوگ تھے جو شننگ سے ہمارے وفد کے استقبال کے لئے نہ جانے کب سے یہاں کھڑے تھے۔ ان میں صوبہ چھینگ ہائی کے مسلم ایسوسی ایشن کے صدر شیخ عبداللہ، صوبائی محکمۂ خارجہ کے ڈائریکٹر مسٹر ڈانگ یان (جن کا درجہ صوبائی وزیر کے برابر ہے، کیونکہ چین میں صوبائی وزیر کا کوئی منصب نہیں ہے۔ اس کے بجائے متعلقہ محکمے کا سربراہ اعلیٰ ڈائریکٹر کہلاتا ہے)۔

اقلیتی امور کمیشن کے ڈائریکٹر مسٹر لا بن لی اور مذہبی امور کے وائس ڈائریکٹر مسٹر ماشن تو بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ یہاں سے شننگ کا فاصلہ تقریباً پانچ گھنٹے کا ہے، لہٰذا اس وقت ان حضرات کے یہاں موجود ہونے کا مطلب یہ تھا کہ یہ رات کو چار بجے شننگ سے روانہ ہوئے ہونگے۔

یہاں سردی لن شا سے بھی کہیں زیادہ تھی، اس لئے یہ حضرات وفد کے تمام ارکان کے عارضی استعمال کے لئے ایک ایک اوور کوٹ ساتھ لائے تھے، جوانہوں نے ہمارے کاروں سے اُترتے ہمیں پہنا دیئے۔ ان میں سے ہر اوور کوٹ کم از کم چھ سات سیر کا ہوگا، اور واقعۃً آگے کی سردی دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ جو گرم کپڑے ہم ساتھ لائے تھے، ان کی اوقات یہاں باریک ورق سے زیادہ نہیں تھی۔

ابتک ہم صوبہ کانسو کی گاڑیوں میں سفر کر رہے تھے، چھینگ ہائی کے میزبان اپنے ساتھ اپنے صوبے سے گاڑیاں لیکر آئے تھے، کانسو کے میزبان یہاں ہم سے رُخصت ہو گئے، اور اب نئی گاڑیوں میں سفر شروع ہوا۔ اب میرے ساتھ گاڑی میں شیخ یونس کے بجائے شیخ عبداللہ تھے، جو صوبہ چھینگ ہائی میں مسلم ایسوسی ایشن کے صدر ہیں۔

سالار کاؤنٹی میں:

دشوار گذار برفانی چوٹیوں سے گذرتے ہوئے تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم ایک قصبے میں داخل ہوئے جو سالار کے نام سے مشہور ہے۔ میزبانوں نے پروگرام یہ بنایا تھا کہ یہاں کی مساجد اور مدارس کے معائنے کے بعد یہیں ایک دیہاتی مکان میں دوپہر کا کھانا ہوگا۔ اس کے بعد آگے روانہ ہونگے۔

سالار کے نام سے یہ کاؤنٹی (ضلع) مسلم اکثریت کی کاؤنٹی ہے۔ پوری کاؤنٹی میں ساٹھ ہزار مسلمان آباد ہیں جن میں سے ۵۱ ہزار سالار قوم سے تعلق رکھتے ہیں، اور نو ہزار ھوئی قومیت سے۔ اور صرف اس ایک کاؤنٹی میں ۹۴ مساجد ہیں۔ جب ہماری کاروں کا قافلہ اس قصبے میں داخل ہوا تو سڑک کے دونوں طرف مسلمانوں کی قطاریں نہ جانے کب سے منتظر کھڑی تھیں۔ کاروں سے اُترے تو کاؤنٹی کے میئر صالح صاحب، ڈپٹی کمشنر خان شادین صاحب اور یہاں کی جامع مسجد کے امام شیخ سعید حسن نے وفد کا استقبال کیا۔

یہاں ہم دو مسجدوں میں گئے، دونوں بڑی عظیم الشان مسجدیں ہیں، اور ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے مدرسے بھی قائم ہیں۔ صوبہ چھینگ ہائی میں ابتک کوئی غیر چینی وفد کبھی نہیں گیا تھا، بلکہ اس علاقے میں غیر ملکیوں کی آمد پہلے ممنوع تھی، کچھ عرصہ قبل ہی یہ صوبہ غیر ملکیوں کیلئے کھولا گیا ہے، اس لئے یہاں کے اکثر مسلمان کسی غیر چینی مسلمان کی صورت سے ابتک ناآشنا تھے، اور پہلی بار باہر کے کچھ مسلمانوں کو دیکھنے کیلئے ان کا بیتابانہ اشتیاق قابل دید تھا۔ مصافحے کے دوران متعدد افراد کی

آنکھوں میں آنسو چھلکتے نظر آئے، اور جب امام صاحب نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں اس بات پر پاکستان کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے چینی مسلمانوں کو حج پر جانے کے انتظامات کئے ہیں تو ایک صاحب کو میں نے دیکھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ نہ جانے یہ دور افتادہ مسلمان کب سے اپنے سینوں میں حج بیت اللہ کی آرزو چھپائے بیٹھے تھے، اور نہ جانے کتنے لوگ یہ آرزو دل میں لئے دنیا سے رخصت بھی ہو گئے، اب اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے حج کا راستہ کھولا ہے تو ان کے سینے مسرت و تشکر کے جذبات سے معمور ہیں، اور اس نعمت پر شکر ادا کرتے نہیں تھکتے۔ یہ حضرات زبان کے اختلاف کی بنا پر الفاظ کے ذریعے اپنے جذبات کے اظہار پر قادر نہیں، لیکن ان کے خلوص و محبت سے لبریز چہرے دل کی داستان سنانے کیلئے کافی تھے، اور ان کی آنکھوں میں چھلکتے ہوئے آنسو ان کے اخلاص کی وہ پونجی تھی جو وہ اپنے بچھڑے ہوئے بھائیوں کے سامنے نچھاور کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ ان آنسوؤں میں ماضی کے صبر آزما حالات کی جو روح فرسا داستانیں پوشیدہ تھیں، ان کے تصور ہی سے کلیجہ منہ کو آتا ہے، آفرین ہے ان فرزندان توحید پر جنہوں نے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا، اور اپنے دین و ایمان کو بچا بچا کر صحیح سلامت عہد حاضر تک لے آئے، یہاں تک کہ نہ جانے کتنی مدت کے بعد انہیں اپنے کسی غیر ملکی بھائی کے سامنے اپنے جذبات کے خاموش اظہار کا موقع ملا۔

ایک مسجد سے باہر نکلے تو احاطے میں دو مزار تھے، یہ اُن دو مسلمانوں کی آخری آرام گاہ ہے جو اس قصبے میں اسلام کی روشنی پھیلنے کا سبب بنے۔ مقامی حضرات میں مشہور یہ ہے کہ یہ قارمان اور احمان[1] نامی دو بھائی تھے، یہ دونوں اصل میں سمرقند کے باشندے تھے، کسی وقت سمرقند کا حکمران ان کا دشمن ہو گیا تو یہ ترکِ وطن کر کے ایک اونٹ پر روانہ ہوئے، یہاں ایک چشمہ تھا جس کے کنارے یہ آرام کیلئے اترے، لیکن جب دوبارہ سوار ہو کر سفر جاری رکھنے کا ارادہ کیا تو اونٹ نے آگے چلنے سے انکار کر دیا، انہوں نے سے اس بات کا غیبی اشارہ سمجھا کہ اسی جگہ اقامت اختیار کر لینی چاہیئے۔ یہ زمانۂ قدیم کے دستور کے مطابق اپنے ساتھ سمرقند کی مٹی اور تھوڑا سا پانی لیکر آئے تھے، انہوں نے اس جگہ کی مٹی اور پانی کو تولا تو اسے سمرقند کی خاک اور پانی کے ہم وزن پایا۔ اس سے ان کے ارادے میں مزید تقویت پیدا ہوئی، اور یہ یہیں مقیم ہو گئے۔ اب سالار قومیت کے تمام افراد انہی کی اولاد ہیں۔

مسجد سے کچھ فاصلے پر ایک چوبی قبہ بنا ہوا ہے جو ان حضرات کے یہاں ٹھہرنے کی یادگار ہے، اسی کے نیچے ایک تالاب ہے جس کے پار ایک اونٹ کا مجسمہ مذکورہ واقعے کی یاد کے طور پر بنا ہوا ہے۔

مساجد، مدرسے، اور مزارات پر حاضری سے فراغت کے بعد، مسجد کے امام صاحب ہمیں بستی کے اندر اپنے گھر لے گئے، یہ گھر باہر سے کچی چار دیواری میں گھرا ہوا تھا، لیکن اندر سے خاصا کشادہ، آرام دہ،

---

[1] شاید ان کے اصل نام "قہرمان" اور عبدالرحمٰن" ہوں۔ تقی

اور خوبصورت تھا۔ دوپہر کے کھانے کا انتظام یہیں تھا۔ یہاں امام صاحب نے سالار قوم کے مخصوص کھانے پکوائے تھے، جو عام چینی کھانوں سے قدرے مختلف ہیں، اور ان میں سے بعض اشیاء پاکستانی کھانوں سے کچھ مناسبت رکھتی ہیں۔ جبکہ عام چینی کھانے، جن کا ہم اب تک تجربہ کرتے آئے تھے، پاکستانی کھانوں سے اس قدر مختلف ہیں کہ کوئی قدرِ مشترک تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے۔ غالباً سالار قوم کے کھانوں میں سمرقند کے کھانوں کی خوبو آئی ہوگی جس کی بنا پر ان میں عام چینی کھانوں سے اختلاف پیدا ہوگیا۔

کھانے کے بعد مسجد میں نمازِ ظہر ادا کی۔ ماشاء اللہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نماز میں شریک تھی۔

نمازِ ظہر کے بعد سفر دوبارہ شروع ہوا، اور کاریکے بعد دیگرے بہت سے اونچے اونچے پہاڑوں پر چڑھتی اُترتی رہی، نہ جانے کتنے پہاڑ اس دوران عبور کئے، انہی پہاڑوں کے درمیان جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی بستیاں آتی رہیں، اور تقریباً ہر بستی میں مسجدیں نظر آئیں، ٹوپیوں اور داڑھیوں کی علامت سے مسلمانوں کی تعداد کا بھی اندازہ ہوتا رہا، اور بحیثیت مجموعی احقر کا تأثر یہ تھا کہ یہ علاقہ ماشاء اللہ مسلمانوں سے بھرا ہوا ہے۔

صوبہ چھینگ ہائی کا رقبہ تو، لاکھ ۳۰ ہزار مربع کیلومیٹر ہے، لیکن اس کی آبادی چین کے تمام صوبوں میں سب سے کم ہے۔ صوبے کی کُل آبادی چالیس لاکھ ہے، جس میں چھ لاکھ مسلمان بتلائے جاتے ہیں، لیکن یہاں بھی احقر کا اندازہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی تعداد چھ لاکھ سے یقیناً کافی زائد ہوگی۔ پورے صوبے میں گیارہ سو سے زائد مسجدیں ہیں، جو چین کے حالیہ تغیرات کے بعد (جن کی تفصیل انشاء اللہ آگے ذکر کروں گا) مسلمانوں کیلئے کھول دی گئی ہیں، اور بحمداللہ نمازیوں سے آباد ہیں۔

سفر کے دوران عصر کا وقت آگیا تو احقر نے میزبانوں سے کہا کہ ہم کسی قریبی بستی میں رُک کے نماز ادا کرنا چاہتے ہیں، تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک چھوٹی سی بستی آئی، ہم نے کاریں روکیں، سڑک سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی کے اوپر مسجد کے مینار نظر آئے، ہم مسجد میں پہنچے تو آس پاس کے مسلمان جمع ہوگئے۔ مسجد میں جماعت ہوچکی تھی، سردی عروج پر تھی، اور وضوخانہ دیہاتی طرز کا تھا، لیکن مسجد کے امام صاحب نے چند ہی منٹ میں ہمارے لئے گرم پانی کا انتظام کردیا، اور ہم نے بسہولت مسجد میں نماز ادا کی۔

شننگ شہر میں:

مغرب کا وقت ہوچکا تھا جب ہم شہر شننگ میں داخل ہوئے۔ یہ ایک بارونق اور

ترقی پذیر شہر تھا جو کئی ضلعوں پر مشتمل ہے۔ مغربی ضلع میں ایک شاندار سرکاری ریسٹ ہاؤس میں ہمارے قیام کا انتظام کیا گیا، جو جدید ترین سامانِ آسائش سے آراستہ تھا۔ نماز مغرب کے فوراً بعد ملاقات کے کمرہ میں صوبہ چھینگ ہائی کی سیاسی مشاورتی کمیٹی کے چیئرمین مسٹر شن لینگ (غیر مسلم)، وائس چیئرمین جناب ایوب آئن ین شوان (مسلم)، صوبائی حکومت کے سیکریٹری جنرل مسٹر مارکھو (غیر مسلم)، محکمۂ مذہبی امور کے ڈائریکٹر جنرل مسٹر تھاؤ سوزین (غیر مسلم) اور چائنا مسلم ایسوسی ایشن کے وائس سیکریٹری جنرل جناب ماتی فا (مسلم) وفد سے ملاقات کیلئے آئے۔ اس موقع پر وہ تمام حضرات بھی موجود تھے جو چھینگ ہائی کی سرحد سے ہمارے ساتھ تھے۔ ان سے مختلف موضوعات پر، بالخصوص چینی مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔

اس ملاقات کے فوراً بعد مسٹر شن لینگ (چیئرمین سیاسی مشاورتی کمیٹی) نے اسی ریسٹ ہاؤس کے ڈائننگ ہال میں وفد کے اعزاز میں عشائیہ دیا جس سے تقریباً ساڑھے دس بجے رات فراغت ہوئی۔

صبح کو ناشتہ کے بعد ہم شننگ کی سب سے بڑی مسجد کے معائنے کیلئے گئے۔ شننگ شہر کی کل آبادی پانچ لاکھ ہے، جس میں مسلمانوں کی تعداد پچاس ہزار بتائی جاتی ہے، اور شہر کی مسجدوں کی تعداد پینتیس ہے۔ ان میں سب سے بڑی اور سب سے پرانی مسجد جامع مسجد تنگ کوا کہلاتی ہے جو پانچ سو سال پرانی ہے لیکن ثقافتی انقلاب کے خاتمے کے بعد زرِکثیر کے صرف سے اس کی تعمیر نو اور مرمت کا کام ہوا ہے، جس میں مسلمانوں کے باہمی چندے کے علاوہ حکومت نے بھی کافی بڑی مالی مدد دی ہے۔ اس مسجد کی وسعت، شکوہ، خوبصورتی اور حسنِ انتظام دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ یہاں امامت و خطابت کے فرائض وہی شیخ عبداللہ شان شین کوئی انجام دیتے ہیں جو صوبائی مسلم ایسوسی ایشن کے صدر بھی ہیں، اور چھینگ ہائی کی سرحد سے ہمارے ساتھ تھے۔

مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی ہے جس میں ائمہ مساجد کو تربیت دی جاتی ہے، تربیت کی مدت چھ ماہ ہے، اور ان حضرات کو داخل کیا جاتا ہے جو پہلے سے عربی زبان کے مبادی سے واقف ہوتے ہیں، روزانہ چھ پیریڈ کی تعلیم کے ذریعہ اس میں مشکوٰۃ، جلالین اور شرح وقایہ کا معتد بہ حصہ پڑھایا جاتا ہے، ہم مدرسہ میں گئے تو اس میں مشکوٰۃ شریف کا درس ہو رہا تھا، اور طلباء کی تعداد تقریباً ۳۵ - ۴۰ کے درمیان ہوگی۔ شننگ میں اس روز درجۂ حرارت صفر سے نو درجہ نیچے گرا ہوا تھا، اس لئے شدید سردی کی بنا پر درس گاہ کے بیچ میں ایک سرپوش والی بہت بڑی انگیٹھی جل رہی تھی جس کے بعد کمرے کا درجۂ حرارت نسبتہً معتدل ہوگیا تھا۔ یہاں ہم نے اساتذہ اور طلبہ سے عربی میں باتیں کیں، بعض طلبہ نے ٹوٹی پھوٹی عربی میں ہمارے سوالات کے جواب دیئے۔

احقر کے سوال پر مقامی حضرات نے بتایا کہ یہاں مسجد کے انتظام کیلئے مسلمانوں کی ایک کمیٹی ہوتی ہے، اور مسجد کی آمدنی چار ذرائع سے حاصل ہوتی ہے، سب سے پہلے تو مسلمانوں کا باہمی چندہ۔ دوسرے بعض

مساجد کو حکومت کی طرف سے امداد بھی ملتی ہے، تیسرے بعض مساجد کی مالی امداد چین سے باہر کے بعض مسلم ادارے بھی کرتے ہیں۔ چوتھے مسجدوں کے ساتھ کچھ مستقل ذرائعِ آمدنی بھی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، زیادہ تر مساجد میں بہت سے حمام تعمیر کر دیئے جاتے ہیں، اور عوام سے ان کے استعمال کی فیس وصول کی جاتی ہے، جو مسجد کے مصارف پر خرچ ہوتی ہے۔

جامع مسجد ننگ کوا میں بھی ایسے بہت سے صاف ستھرے حمام بنے ہوئے ہیں، وضو کا انتظام بھی بہت اچھا اور صاف ستھرا ہے۔ اس کے علاوہ اس مسجد کے ساتھ ایک کمرہ مردوں کو غسل دینے کیلئے مخصوص ہے جس میں دو الگ الگ پتھر کے تختے بنے ہوئے ہیں، ایک مردوں کے غسل کیلئے، اور دوسرا خواتین کیلئے۔ یہ انتظام احقر نے کسی اور ملک میں نہیں دیکھا۔

امام صاحب نے بتایا کہ مسجد کے ساتھ ایک خاصا وسیع کتب خانہ بھی ہے، لیکن ثقافتی انقلاب کے دور میں اس کی خاطر خواہ حفاظت نہ ہوسکنے کے سبب ابھی وہ مرتب اور قابلِ استفادہ نہیں ہے۔ در اصل اس مسجد میں انقلاب سے پہلے ایک بڑا دار العلوم قائم تھا، اور یہ کتب خانہ اسی دور کی یادگار ہے۔

بیجنگ کی طرف واپسی:

جامع مسجد ننگ کوا کی زیارت کے بعد شننگ سے ہماری روانگی کا وقت آگیا تھا، ہمیں یہاں سے بیجنگ جانا تھا، لیکن اس روز شننگ سے بیجنگ کیلئے کوئی پرواز نہیں تھی، اس لئے یہاں سے بذریعہ کار لانچو ایئرپورٹ جانا ضروری تھا جس کا راستہ یہاں سے تقریباً چھ گھنٹے کا ہے۔ چنانچہ ہم یہاں سے تقریباً دس بجے روانہ ہوئے۔ ایک بجے تک ہمارا سفر صوبہ چھینگ ہائی ہی میں ہوتا رہا، اور یہاں بھی راستے کی بہت سی بستیوں میں مسجدیں نظر آتی رہیں۔ ایک بجے کے قریب احقر نے نمازِ ظہر کیلئے سفر روکنے کی فرمائش کی تو میزبانوں نے ایک بستی میں قافلہ کو روکا، یہ بستی شی ناتھی جو دریائے تے بھوتن کے قریب چھینگ ہائی اور کانسو کی درمیانی سرحد پر واقع ہے۔ یہاں سڑک کے قریب ہی ایک مسجد بنی ہوئی تھی، لیکن نمازِ ظہر ہو چکی تھی اور مسجد بند تھی، ہمارے رفقاء میں سے بعض حضرات بستی میں امام صاحب کا مکان تلاش کر کے انہیں بلا لائے، وہ غیر متوقع طور پر وفد سے مل کر خوشی سے پھولے نہ سمائے، انہوں نے جلدی جلدی گرم پانی کا انتظام کیا، اور ہم نے وضو کر کے نماز پڑھی، دوپہر کے کھانے کیلئے لنچ باکس ہمارے ساتھ تھے، امام صاحب باصرار اپنے گھر سے بھی کھانا لے آئے، اور مسجد کے متصل ایک کمرے میں کھانا کھایا۔ اس کمرے میں چینی دیہات کی روایت کے مطابق ایک تخت بچھا ہوا تھا جس کے نیچے آتش دان روشن ہونے کی بناء پر وہ تخت کافی گرم رہتا ہے۔ اس تخت پر بیٹھ کر بڑی بے تکلفی اور راحت کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا گیا۔

ہمارے مسجد سے نکلتے نکلتے ہماری آمد کی خبر بستی میں پھیل چکی تھی، اور مسجد کے دروازے پر

سینکڑوں مسلمان جمع ہو چکے تھے، ہمارے نکلتے ہی انہوں نے بآوازِ بلند "السلام علیکم" کا نعرہ لگایا، اور مصافحوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور کار تک پہنچتے پہنچتے کافی وقت لگا۔

ابھی تین گھنٹے کا سفر باقی تھا، یہ سارا سفر صوبۂ کانسو میں قطع ہوا، اور ہم ٹھیک پانچ بجے لانچو ایئرپورٹ پہنچ گئے۔ یہاں صوبۂ کانسو کے میزبانوں کا ایک بڑا مجمع موجود تھا، انہوں نے ایپرن تک رخصت کرنے کیلئے پاس بنوائے ہوئے تھے،

یہ سب حضرات ایک ایک کر کے بغلگیر ہوئے، کئی علماء کی آنکھوں میں آنسو تھے، ایپرن پر شدید برفانی ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے، لیکن جب تک جہاز روانہ نہیں ہو گیا، یہ سب حضرات وہیں کھڑے رہے۔ اس خداداد محبت و خلوص کا گہرا نقش دل پر لئے ہم چھ بجے شام بیجنگ کیلئے روانہ ہو گئے۔ اور پونے آٹھ بجے کے قریب بیجنگ ایئرپورٹ پر اُترے جہاں درجۂ حرارت صفر سے چھ درجہ نیچے تھا، اور سائبیریا کی برفانی ہواؤں سے پورا شہر ٹھٹھرا ہوا تھا۔

اگلا دن چین میں ہمارے قیام کا آخری دِن تھا، صبح کے وقت کوئی باقاعدہ مصروفیت نہیں تھی، اسلئے ہم بازار چلے گئے۔ یہ بیجنگ ہوٹل کے قریب بڑا خوبصورت اور بارونق بازار تھا، کئی کئی منزلہ ڈیپارٹمنٹل اسٹور دُور تک پھیلے ہوئے تھے، اور ہر اسٹور میں خریداروں کا اتنا ہجوم تھا کہ کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ ہر جگہ اشیاء کی قیمتیں معین تھیں، اور مول بھاؤ کا کوئی سوال نہ تھا، زیادہ تر چینی مصنوعات تھیں، لیکن کچھ اشیاء جاپان اور ہانگ کانگ وغیرہ کی بنی ہوئی بھی بک رہی تھیں۔

دوپہر کو چائنا مسلم ایسوسی ایشن نے سنکیانگ کے باشندوں کے ایک مسلمان ریسٹورنٹ میں الوداعی ظہرانہ دیا تھا۔ میزبانوں کا کہنا تھا کہ آپ سنکیانگ نہ جا سکے تو کم از کم اہلِ سنکیانگ کے ریسٹورنٹ میں ان سے ملاقات کر لیں۔ ریسٹورنٹ کے لوگوں نے بڑی محبت سے کھانا کھلایا۔ ان کے کھانے پاکستان کے شمالی علاقوں کے کھانوں سے کافی مشابہ تھے، اور ایک ہفتے بعد کھانوں میں پاکستانی خوبو نظر آئی۔

یہاں سے قیام گاہ واپس پہنچ کر فوراً ہی ہم واپسی کیلئے ایئرپورٹ روانہ ہو گئے۔

(جاری ہے)

محمد تقی عثمانی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

قرعہ اندازی کا حکم

معارف القرآن ☆ سورۃ الصّٰفّٰت ★ آیت ۱۳۸ تا ۱۴۹

خلاصۂ تفسیر

اور بیشک یونس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے (ان کا اس وقت کا قصہ یاد کیجئے) جبکہ (انھوں نے اپنی قوم سے ایمان نہ لانے پر بحکم الٰہی عذاب کی پیشین گوئی کی، اور خود وہاں سے چلے گئے اور جب متعین وقت پر عذاب کے آثار نمودار ہونے لگے تو قوم کو ایمان لانے کی غرض سے یونس علیہ السلام کی تلاش ہوئی، جب وہ نہ ملے تو سب نے متفق ہوکر حق تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کی اور اجمالی طور پر ایمان لے آئے، اور وہ عذاب ٹل گیا، یونس علیہ السلام کو کسی ذریعہ سے یہ خبر معلوم ہوئی تو شرمندگی کی وجہ سے اپنے اجتہاد سے اللہ تعالیٰ کی صریح اجازت کے بغیر کہیں دور چلے جانے کا ارادہ کرکے اپنی جگہ سے) بھاگ کر (چلے، راہ میں دریا تھا، اس میں مسافروں سے بھری ہوئی کشتی تھی، اس) بھری ہوئی کشتی کے پاس پہنچے (کشتی چلی تو طوفان آیا، کشتی والے کہنے لگے کہ ہم میں کوئی نیا قصوروار ہے، اس کو کشتی سے علیحدہ کرنا چاہیئے، اس شخص کو متعین کرنے کے لئے سب کا اتفاق اس پر ہوا کہ قرعہ ڈالا جائے) سو یونس (علیہ السلام) بھی شریک قرعہ ہوئے تو (قرعہ میں) یہی ملزم ٹھہرے (یعنی انہی کا نام نکلا، پس انہوں نے اپنے کو دریا میں ڈال دیا، شاید کنارہ قریب ہوگا، شناوری کر کے کنارہ پر جا پہنچنے کا ارادہ ہوگا، پس شبہ خودکشی کا لازم نہیں آتا) پھر (جب دریا میں گرے تو ہمارے حکم سے) ان کو مچھلی نے (ثابت) نگل لیا اور یہ (اس وقت) اپنے کو (اس اجتہادی غلطی پر) ملامت کر رہے تھے (یہ تو دل سے توبہ ہوئی اور زبان سے بھی توحید و تسبیح کے ساتھ استغفار کر رہے تھے، جیسا دوسری آیت میں ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ) سو اگر وہ (اس وقت) تسبیح (و استغفار) کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں رہتے (مطلب یہ کہ پیٹ سے نکلنا میسر نہ ہوتا، بلکہ اسکی غذا بنا دیئے جاتے) سو (چونکہ انھوں نے تسبیح اور توبہ کی اس لئے) ہم نے (ان کو اس سے محفوظ رکھا اور مچھلی کے پیٹ سے نکال کر) ان کو ایک میدان میں ڈال دیا (یعنی مچھلی کو حکم دیا کہ کنارے پر اُگل دے) اور وہ اس وقت مضمحل تھے (کیونکہ مچھلی

کے پیٹ میں کافی ہوا اور غذا نہ پہونچتی تھی) اور ہم نے (دھوپ سے بچانے کے لئے) اُن پر ایک بیلدار درخت بھی اُگا دیا تھا (اور کوئی پہاڑی بکری انھیں دودھ پلا جاتی تھی) اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کی طرف (شہر نینوا میں موصل کے قریب پیغمبر بنا کر بھیجا تھا، پھر وہ لوگ ایمان لے آئے تھے (آثار عذاب دیکھ کر اجمالاً اور مچھلی کے واقعے کے بعد حضرت یونس علیہ السلام وہاں دوبارہ تشریف لے گئے اس وقت تفصیلاً) تو (ایمان کی برکت سے) ہم نے اُن کو ایک زمانہ تک (یعنی مدت عمر تک خیر و خوبی سے) عیش دیا۔

معارف ومسائل

اس سورۃ میں آخری واقعہ حضرت یونس علیہ السلام کا بیان کیا گیا ہے، یہ واقعہ اور اس کی متعلقہ تفصیلات سورۂ یونس کے آخر میں گذر چکی ہیں (دیکھئے معارف القرآن ص ۵۷۵، ج ۴) ——— اور ان کا خلاصہ اوپر خلاصۂ تفسیر میں بھی آگیا ہے اس لئے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، البتہ خاص ان آیتوں کے بارے میں چند ضروری باتیں درج ذیل ہیں۔

وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ، بعض مفسرین اور مورخین نے اس پر بحث کی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے واقعہ سے پہلے ہی رسول بنا دیئے گئے تھے یا بعد میں بنائے گئے؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ مچھلی کے واقعہ کے بعد انہیں رسول بنا دیا گیا، لیکن قرآن کریم کے ظاہری اسلوب اور بیشتر روایات سے یہی راجح ہے کہ آپ کو پہلے ہی منصب رسالت پر فائز کر دیا گیا تھا، مچھلی کا واقعہ بعد میں پیش آیا۔

إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ (جبکہ وہ بھاگ گئے بھری ہوئی کشتی کی طرف) لفظ اَبَقَ اِبَاقٌ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں کسی غلام کا اپنے آقا کے پاس سے بھاگ جانا۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کے لئے اس وجہ سے استعمال فرمایا کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف سے وحی کا انتظار کئے بغیر روانہ ہو گئے تھے۔ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہوتے ہیں اور ان کی معمولی سی لغزش بھی بڑی گرفت کا سبب بن جاتی ہے، اس لئے یہ سخت لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

فَسَاهَمَ (پس وہ شریک قرعہ اندازی ہوئے) یہ قرعہ اندازی اُس وقت کی گئی جبکہ کشتی بیچ دریا کے پہنچ کر طوفان میں گھر گئی اور وزن کی زیادتی سے اس کے ڈوبنے کا اندیشہ ہو گیا، اور طے یہ پایا کہ ایک شخص کو دریا میں پھینک دیا جائے، قرعہ یہ متعین کرنے کے لئے ڈالا گیا کہ وہ شخص کون ہے؟

قرعہ اندازی کا حکم یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ نہ کسی کا حق ثابت کیا جا سکتا ہے نہ کسی کو مجرم قرار دیا جا سکتا ہے، مثلاً قرعہ کے ذریعہ کسی کو چور ثابت نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح اگر دو آدمیوں میں یہ اختلاف ہو کہ فلاں جائیداد کس کی ملکیت ہے تو قرعہ کے ذریعہ اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں قرعہ اندازی اس موقع پر جائز بلکہ بہتر ہے جہاں ایک شخص کو شرعاً مکمل اختیار حاصل ہو کہ وہ چند جائز راستوں میں سے کسی بھی راستے کو اختیار کر لے، اب وہ اپنی مرضی سے کوئی راستہ متعین کرنے کے بجائے قرعہ ڈال کر فیصلہ کرے مثلاً جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں، اُسے سفر میں جاتے وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے ساتھ لے جائے، اب وہ اپنی مرضی سے ایسا کرنے کے بجائے قرعہ اندازی کر لے تو بہتر ہے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں بھی قرعہ اندازی سے کسی کو مجرم ثابت کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ پوری کشتی کو بچانے کے لئے کسی کو بھی دریا میں ڈالا جا سکتا تھا، قرعہ کے ذریعہ اس کی تعیین کی گئی۔

فَکَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ (پس وہ مغلوب ہو گئے) ادحاض کے لغوی معنی ہیں کسی کو ناکام بنا دینا، مطلب یہ ہے کہ قرعہ اندازی میں انہی کا نام نکل آیا، اور انہوں نے اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا، اس پر خودکشی کا شبہ نہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کنارہ قریب ہو اور وہ تیراکی کے ذریعے وہاں تک پہونچنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ الخ۔ اس آیت سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ اگر حضرت یونس علیہ السلام تسبیح نہ کرتے تو وہ مچھلی قیامت تک زندہ رہتی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس مچھلی کے پیٹ ہی کو حضرت یونس علیہ السلام کی قبر بنا دیا جاتا۔

تسبیح واستغفار سے مصائب دور ہوتے ہیں | اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصائب اور آفتوں کو دور کرنے میں تسبیح اور استغفار خاص اہمیت کے حامل ہیں، سورہ انبیاء میں گذر چکا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تھے تو یہ کلمہ خاص طور سے پڑھتے تھے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ، اللہ تعالیٰ نے اسی کلمہ کی برکت سے انھیں اس آزمائش سے نجات عطا فرمائی اور وہ مچھلی کے پیٹ سے صحیح سالم نکل آئے، اسی لئے بزرگوں سے یہ منقول چلا آتا ہے کہ وہ انفرادی یا اجتماعی مصیبت کے وقت یہ کلمہ سوا لاکھ مرتبہ پڑھتے ہیں، اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مصیبت کو دور فرما دیتا ہے۔

ابو داؤد میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت یونسؑ نے جو دعا مچھلی کے پیٹ میں کی تھی یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اسے جو مسلمان بھی کسی مقصد کے لئے پڑھے گا اس کی دعا قبول ہوگی (تفسیر قرطبی)

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ (پس ہم نے اُن کو میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت مضمحل تھے) العراء کے معنی ہیں کھلا میدان جس میں کوئی درخت نہ ہو، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو گئے تھے اور جسم پر بال بھی باقی نہ رہے تھے۔

وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ (اور ہم نے ان پر ایک بیل دار درخت بھی اُگا دیا تھا) یقطین ہر اس درخت کو کہتے ہیں جس کا تنہ نہ ہو۔ روایات میں ہے کہ یہ کدو کی بیل تھی اُس درخت کو اُگانے کا منشا یہ تھا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو سایہ حاصل ہو، لیکن شجرۃ کا لفظ بتا رہا ہے کہ یا تو اسی کدو کی بیل کو اللہ نے معجزہ کے طور پر تنہ دار بنا دیا تھا، یا کوئی اور درخت تھا جس پر وہ بیل چڑھا دی تھی، تاکہ اس سے گھنا سایہ مل سکے، ورنہ بیل سے سایہ ملنا مشکل تھا۔

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ (اور ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا) یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو علیم و خبیر ہیں، ان کو اس شک کے اظہار کی کیا ضرورت ہے کہ ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمی تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ عام لوگوں کی مناسبت سے کہا گیا ہے، یعنی ایک عام آدمی انھیں دیکھتا تو یہ کہتا کہ اُن کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے کچھ اوپر ہے (مظہری) اور حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں شک کا اظہار مقصود ہی نہیں ہے، انھیں ایک لاکھ بھی کہا جا سکتا ہے، اور اس سے زیادہ بھی، اور وہ اس طرح کہ اگر کسر کا لحاظ نہ کیا جائے تو ان کی تعداد ایک لاکھ تھی، اور اگر کسر کو بھی شمار کیا جائے تو ایک لاکھ سے زیادہ (بیان القرآن)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ

خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت تھانوی قدس اللہ سرہ

دل کے تباہ ہونے کی علامتیں:

فرمایا دِل کے تباہ ہونے کی علامتیں یہ ہیں:

۱۔ وعظ کرکے دل خوش ہو۔

۲۔ تعلقاتِ ماسوی اللہ (اللہ تعالیٰ کے سوا دیگر تعلقات) میں دل پھنسا ہو۔

۳۔ یکسوئی سے کورا ہو۔

۴۔ نماز پڑھنے میں حظ نہ آتا ہو۔

۵۔ وعظ جتنا چاہے کہہ لے اس میں مزہ آتا ہو۔

۶۔ جلسوں میں شرکت کے لئے فوراً تیار ہو جائے۔

امن و اطمینان کی جڑ:

فرمایا امن کی جڑ اوامرِ شرعیہ پر عمل کرنا اور نواہیِ شرع سے بچنا ہے، یہی دافعِ فساد ہے۔

خدا کی قسم! جو شخص شریعت کے موافق چل رہا ہو، وہ بادشاہ ہے، گو ظاہر میں سلطنت نہ ہو، اور جو شخص شریعت سے ہٹا ہو، وہ پنجرہ میں مقید ہے گو ظاہر میں بادشاہ ہو، اور فرمایا رضاءِ حق ہر حال

میں مقدم ہے۔

بدعت کی تعریف:

فرمایا بدعت کہتے ہیں مقاصدِ شریعت کے بدلنے کو، غیر مقصود کو مقصود بنا دے یا مقصود کو غیر مقصود بنا دے۔

حوضِ کوثر کی تعریف:

فرمایا حوضِ کوثر کے پانی کی یہ تعریف ہے کہ جس نے ایک مرتبہ (اس کا) پانی پی لیا، اس کو کبھی پیاس نہ لگے گی، عمر بھر کے لئے پیاس کی کلفت رفع ہو جائے گی، اور لطف اس قدر ہوگا کہ بدون پیاس کے بھی اسکی طرف رغبت ہوگی، اور اس کا مزہ حاصل ہوگا۔

مزارات پر پھولوں کی چادر چڑھانا:

فرمایا اولیاء اللہ کے مزارات پر پھول چڑھانا بڑی غلطی ہے، کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو ان کو ادراک ہے یا نہیں؟ اگر ادراک نہیں تو پھول چڑھانے سے کیا فائدہ؟ اور اگر ادراک ہے تو جو شخص جنت کے شمائم و روائح (خوشبوئیں اور ہوائیں) اور عطریات کو سونگھ رہا ہو، اس کو ان پھولوں کی خوشبو سے کیا راحت پہنچ سکتی ہے، بلکہ اس کو تو الٹی ایذا ہوتی ہوگی!!!

بیوی کی بدخلقی برداشت کرنا:

فرمایا بیوی کی تھوڑی بہت بدخلقی کو گوارا کر لینا چاہیئے، کیا عجیب بات ہے کہ وہ شادی ہوتے ہی سارے اعزہ و اقارب کو چھوڑ کر شوہر کیلئے وقف ہو جاتی ہے۔

تعصب اور تصلّب میں فرق:

فرمایا تعصب اور تصلّب میں فرق یہ ہے کہ تعصب کے معنیٰ ہیں بیجا حمایت کرنا، اور تصلّب کے معنیٰ ہیں پختگی کے ساتھ مذہب پر جما رہنا، اول ممنوع ہے اور ثانی مامور بہ ہے۔

تواضع کا طریقہ:

فرمایا محققین کا قول ہے کہ تم یہ سمجھکر تواضع اختیار کرو کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا حق یہ ہے کہ ان کے سامنے ہر شخص پستی اور تواضع کو اپنی صفت بنائے اور اپنے آپ کو لاشیئ محض سمجھے، اس پر حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس طرح تواضع اختیار کریگا ہم اس کو رفعت عطا کریں گے، لیکن تم رفعت کی نیت سے تواضع اختیار نہ کرو، گو ایک گونہ رفعت اس طرح بھی حاصل ہو جائے گی، کیونکہ تواضع میں خاصیت ہے، گو کسی نیت سے ہو قلوب کو کشش کرتی ہے، مگر اس صورت میں قرب و رضاء حق حاصل نہ ہوگی۔

طلباءِ دین کو نصیحت:

فرمایا لباس اور وضع سے یا اہلِ دنیا کے طرزِ گفتگو سے عزت طلب کرنا انسان کا کام نہیں یہ تو نہایت ھچھورا پن ہے۔ اے طلباءِ مدارس! تمھارا فخر یہی ہے کہ جس جماعت میں تمھارا شمار ہے تم اسی کی اصطلاح اور وضع اور طرز کو اختیار کرو، تمھاری عزت اسی میں ہے، اگر مخلوق میں اس سے عزت نہ ہوئی تو کیا بُرا ہے۔ خالق کے یہاں تو ضرور عزت ہوگی، تم کو تو ایسی تواضع اور پستی اختیار کرنی چاہیئے کہ تمام دنیا پستی و تواضع میں تمھاری شاگرد ہو جائے، اور تم اس شعر کے مصداق ہو جاؤ اور ببانگِ دہل

یوں کہو ؎

افروختن و سوختن و جامہ دریدن
پروانہ زمن شمع زمین گل زمن آموخت

غرض تم ایسے متواضع ہو جاؤ کہ ہر چیز میں تمھاری ہی تواضع کا اثر ظاہر ہو، تم کو ظاہری اسباب عزت کی ضرورت نہیں، ان تو وہ ہے جو کمالات میں بادشاہ ہو، گو ظاہر میں فقیر ہو ؎

مبیں حقیر گدایان عشق را ایں قوم
شہان بے کمر و خسروانِ بے کلاہ اند

ایک جگہ اپنی گدائی پر فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقتِ مستی بیں
کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

تم کسی کی تحقیر کی پروانہ کرو، اگر کوئی تمھارے لباس پر طعن کرے کرنے دو، کوئی تمھاری طرز میں عیب نکالے نکالنے دو، تمھارے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا کافی ہے، تم ان کو راضی کرنے کی فکر کرو، یاد رکھو عشق میں تو ملامت ہوا ہی کرتی ہے، تم اللہ تعالیٰ کے عاشق بننا چاہتے ہو تو ملامت سننے کے لئے تیار ہو جاؤ!!

اپنے لئے کوئی خاص وضع نہ بناؤ جو محبوب دے پہنو، شال دے شال اوڑھو، کمبل دے کمبل اوڑھو، اور ہر حال میں خوش رہو، مگر حدودِ شریعت سے باہر نہ جاؤ، تم اپنے کو مٹا دو، گمنام کردو، سب سے الگ ہو جاؤ تو پھر تمھاری محبوبیت کی یہ شان ہو گی کہ تم چپ ہو گے اور تمام مخلوق میں تمھارا آوازہ ہو گا جیسے عنقا نے اپنے کو مٹا دیا تو اس کا نام اس قدر مشہور ہوا کہ مخلوق کی زبان زد ہے۔

عبدالماجد شبیری شہیدی

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کی صحیح تفسیر

ایک وضاحت

۱۲؍فروری ۱۹۸۵ء کے نوائے وقت میں محترم پروفیسر وارث میر صاحب نے اپنے مضمون "جدید اسلامی ریاست اور سیکولر ازم" کی آخری قسط میں آیۃ کریمہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کے شانِ نزول کے بارے میں علامہ جصاصؒ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ "یہ بعض انصار کے بیٹوں کے سلسلے میں نازل ہوئی جو یہودی ہو گئے تھے اور ان کے باپ انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔" محترم پروفیسر صاحب ذی علم و ذی احترام شخصیت ہیں، ان کی کسی بات پر گرفت کرنا اگرچہ "خطاءِ بزرگاں گرفتن خطا است" کے مترادف سمجھتا ہوں مگر ان کی مذکورہ تحریر کے خط کشید الفاظ کاتب کی مہربانی یا خود ان کے تساہل کی وجہ سے اسلام کے ایک اہم قانون "ارتداد کی شرعی سزا قتل" کے مبینہ انکار کی راہ ہموار کرنے کا اندیشہ دلاتے ہیں، بنا بریں ضروری وضاحت کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

مندرجہ بالا عبارت سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی وجہ سے دینِ اسلام کو خیرباد کہہ کر کسی اور مذہب کی آغوش میں چلا جائے تو آیت لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کے بیان کردہ شانِ نزول کے پیشِ نظر اسے دوبارہ اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، گویا اس طرح جدید اسلامی ریاست کو ایک سیکولر اسٹیٹ کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سوئے ظن معاف! اگر محترم پروفیسر صاحب کا یہی مقصد ہے تو یہ ایک خطرناک کوشش ہے اور آنجناب کا یہ اجتہاد نصوصِ شرعیہ قطعیہ اور خلفائے راشدین کے اجماعی فیصلوں سے متعارض اور فقہائے اسلام کی بیّن اور متفقہ تصریحات سے متصادم ہے۔

قتلِ مرتد کے مسئلہ پر مسلمانوں کی چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں کبھی بھی کسی فقیہہ اور مجتہد نے دوسری رائے قائم نہیں کی جبکہ اُمت کے اہل حل و عقد کا اس پر اجماع چلا آ رہا ہے کہ اگر امتِ مسلمہ کا کوئی فرد کسی دوسرے دین کو قبول کرتا ہے تو اسے دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے، پھر بھی انکار کرے تو اس شر البریّہ کے وجود

ہی سے اسلامی معاشرے کو پاک کر دیا جائے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اسلام جبراً کسی غیر مسلم کو اپنی دعوت قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا اسی بناء پر اسلام کافروں سے جزیہ وصول کرنے کے بعد اسلامی سوسائٹی میں غیر مسلم ذمی رعایا کی حیثیت سے انہیں زندہ رہنے کے تمام حقوق فراہم کرتا ہے اور یہی مطلب ہے لا اکراہ فی الدین کا۔ علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ نے بھی آیت کا جو شان نزول بیان کیا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے جسے سمجھنے یا ترجمہ کرنے میں پروفیسر موصوف سے سہو ہوا ہے۔

امام جصاصؒ کی اصل عبارت احکام القرآن ج ۱ صفحہ ۵۳۶ پر اس طرح ہے انہا نزلت فی بعض ابناء الانصار کانوا یہودًا فاراد آباءھم اکراھھم علی الاسلام کہا گیا ہے کہ یہ آیت بعض انصار کے بیٹوں کے سلسلے میں نازل ہوئی جو یہودی تھے اور ان کے باپ انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ کانوا یہوداً کے خط کشید الفاظ قابل غور ہیں۔ کانوا ماضی استمراری ہے جس کا مطلب ظاہر ہے کہ انصار کے یہ بیٹے پہلے سے یہودی چلے آ رہے تھے جنہیں ان کے آباء اسلام قبول کرنے پر مجبور کر رہے تھے جس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ انصاری بیٹے (اسلام قبول کرنے کے بعد) یہودی ہو گئے تھے جیسا کہ پروفیسر صاحب کی تحریر سے واضح ہوتا ہے۔ اور اس کی تائید کہ یہ ابناء انصار پہلے سے یہودی تھے، ابن جریر، تفسیر ابن کثیرؒ، درمنثور کی بعض دوسری روایات سے بھی ہوتی ہے چنانچہ درمنثور ج ۱ صفحہ ۳۲۹ پر علامہ سیوطیؒ ابن عباس کے حوالے سے آیت مذکورہ کے شان نزول کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ انصار کی جو عورت ایسی ہوتی کہ اس کی اولاد زندہ نہ رہتی ہو وہ یہ نذر مان لیتی تھی کہ اگر اس کا بچہ زندہ رہا تو وہ اسے یہودی بنا دے گی، پھر جب اسلام آیا اور بنو نضیر، (یہودی قبیلہ) کو جلا وطن کیا گیا تو انصار کے یہ یہودی بیٹے بھی ان کے ساتھ تھے۔ انصار کہنے لگے کہ ہم تو اپنے بیٹوں کو نہیں چھوڑیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرتؐ نے انصار کے سوال پر سکوت فرمایا۔ پس آیت لا اکراہ فی الدین نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے ساتھیوں کو اختیار دیا گیا ہے اگر وہ تمہیں اختیار کر لیں یعنی اسلام قبول کر لیں تو وہ تم میں سے ہیں اور اگر وہ انہیں اختیار کریں تو وہ انہی میں سے متصور ہونگے اور ان کے ساتھ ہی جلا وطن کیے جائیں گے۔

ابن جریر طبریؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفاسیر میں آیۃ زیر بحث کے شان نزول کے تحت لکھا ہے کہ یہ آیت حصین انصاریؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت حصین انصاری کے دو بیٹے عیسائی تھے۔ ایک روز حضرت حصین انصاری نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھ پر ان کا نصرانی ہونا گراں گزرتا ہے اگر حضورؐ اجازت دیں تو میں انہیں اسلام پر مجبور کروں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی کسی پر اسلام میں داخل ہونے کے لیے جبر اور زبردستی نہ کرو ہم نے ہدایت و ضلالت کا فرق واضح کر دیا ہے ان لوگوں کو اختیار ہے جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔

بہرحال ان روشن تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ یہ ابناء انصار قبل از اسلام یہودی و نصرانی تھے جن کے بارے میں یہ آیت لا اکراہ فی الدین نازل ہوئی۔ رہا وہ شخص جو اسلام قبول کر لینے کے بعد پھر مرتد ہو

جائے تو ایسے شخص کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔ اگر وہ سمجھانے کے باوجود انکار ہی کرتا چلا جائے تو صحیح اسلامی ریاست میں ایسا شخص کا وجود ناقابل برداشت ہے۔ ایسے شخص کے لیے پیغمبر کائنات علیہ السلام والصلوٰت مَن بدل دینہ فاقتلوہ۔ جو شخص (یعنی مسلمان) اپنا دین بدل دے اسے قتل کر دو۔ کے فیصلے پر عمل کیا جائے گا (یہ روایت بخاری ومسلم وغیرہ تمام معتبر کتب احادیث میں دیکھی جاسکتی ہے)

اور یہ تو محترم پروفیسر صاحب بھی تسلیم کرتے ہوں گے کہ نصوص کے مقابلے میں کسی کے اجتہاد کی کوئی شرعی حیثیت نہیں تسلیم کی جاسکتی۔

علامہ جصاص رازی حنفیؒ کے حوالے سے یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ انہوں نے آیت لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّین کا ضحاکؒ، سعدیؒ وغیرہ کے حوالے سے منسوخ ہونا بھی ذکر کیا ہے۔ آیات جہاد وقتال (یاایھا النبی جاھد الکفار) (فاقتلوا المشرکین) سے۔

مزید برآں یہ کہ پروفیسر صاحب نے علامہ جصاصؒ کے جس قول سے شان نزول کا ذکر کیا ہے وہ قیل یعنی ماضی مجہول (Passive sense) کے صیغے سے منقول ہے اور عربی کا ایک عام طالب علم بھی اس بات کو جانتا ہے کہ اس طرح کی کلام میں ایک گونہ ضعف کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

آخر میں محترم پروفیسر صاحب سے نیازمندانہ عرض ہے کہ وہ ایسے نازک مسائل پر سے گزرتے ہوئے بھی احتیاط ملحوظ رکھیں۔

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ

بے جا غصہ اور اس کا علاج

بے جا غصہ اتنا خطرناک مرض ہے کہ بیٹے کو باپ سے، بیوی کو شوہر سے، شاگرد کو استاد سے مرید کو شیخ سے، ملازم کو آقا سے، امتی کو نبی سے اور بندہ کو خدا سے لڑا دیتا ہے اور غصہ کا مریض خود بھی ہر وقت پریشان اور بے سکون رہتا ہے اور اپنے گھر والوں کو اور اپنے پڑوسیوں کو اور جس ماحول میں بھی رہتا ہے پریشان کرتا رہتا ہے۔ اور اکثر اس کی نیند اس پر حرام رہتی ہے۔ انتقام لینے کی الجھنوں میں گرفتار رہتا ہے۔ مخلوق بھی ایسے لوگوں کو حقیر، ناقابل اعتبار سمجھتے ہوئے ان کی دوستی سے کنارہ کش، گریزاں اور نفور رہتی ہے۔ مغلوب الغضب آدمی سے آدمی دہشت زدہ اور متوحش رہتا ہے۔ امت مسلمہ ایسے لوگوں سے دین سیکھنے سے کتراتی ہے۔ کیونکہ فیض مدار مانوس ہونے پر ہے اور مانوس ہونا مغلوب الغضب انسان سے ناممکن ہے۔ بے جا غصہ والے اکثر آخر عمر میں ہائی بلڈ پریشر کے مریض ہو جاتے ہیں اور اعصابی تناؤ کے سبب اکثر ان لوگوں پر فالج کا بھی حملہ ہو جاتا ہے۔ غصہ کے ساتھ لفظ بے جا کی قید سے اصلاح و تربیت کے لئے اللہ والوں کا غصہ مستثنیٰ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہاں تکبیر تو ہے لیکن تحقیر نہیں ہے۔ تکبیر واجب اور تحقیر حرام ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ اصلاح کے لئے جب کسی کو ڈانٹتے تھے تو اس وقت اس

مراقبہ کا استحضار فرماتے تھے کہ جیسے کسی شاہزادے نے جرم کیا ہو اور بھنگی جلاد کو حکم شاہی ہوا ہو کہ اس شہزادے کو درّے لگائیں. تو کیا اس بھنگی جلّاد کے دل میں درّے مارتے وقت کہیں یہ بھی وسوسہ ہو سکتا ہے کہ میں شاہزادے سے افضل ہوں۔ (انفاس عیسیٰ حصہ دوم صہ ۳۰۲، مطبوعہ دیوبند)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کے غصہ کو اہل نفس اپنے اوپر قیاس مت کریں ورنہ شیطان اللہ والوں کے فیوض و برکات سے محروم کر دے گا۔

حکایت ایک دکاندار بنیے نے ایک طوطا پال رکھا تھا یہ طوطا خوب باتیں کر کے خریداروں کو خوش کرتا تھا ایک دن دکاندار نہ تھا اور اچانک ایک بلی نے کسی چوہے کو پکڑنے کے لئے حملہ کیا. اس طوطے نے سمجھا کہ شاید مجھے پکڑنا چاہتی ہے یہ اپنی جان بچانے کے لئے ایک طرف کو بھاگا اسی طرف بادام کے تیل کی بوتل رکھی تھی سارا تیل گر گیا۔ جب دکاندار آیا تو اس نے اپنی گدی پر تیل کی چکناہٹ محسوس کی اور دیکھا کہ بوتل سے تیل گر گیا ہے اس نے غصہ میں اس طوطے کے سر پر ایسی چوٹ لگائی جس سے اس کا سر گنجا ہو گیا. یہ طوطا اس دکاندار سے ناراض ہو گیا اور بولنا چھوڑ دیا۔

طوطے کے اس فعل سے دکاندار کو سخت پریشانی ہوئی اور بہت ندامت ہوئی کہ میں اب کیا کروں کیونکہ دکاندار کو اس کی باتوں سے بڑا لطف ملتا تھا. کئی روز تک اس طوطے کی خوشامد کی طرح طرح کے پھل دیئے کہ خوش ہو جاوے لیکن طوطا بالکل خاموش تھا. اس دکان پر جو خریدار آتے وہ بھی اس کے خاموش رہنے سے تعجب اور افسوس کرتے۔

ایک دن اس دکان کے سامنے سے ایک کمبل پوش فقیر سر منڈائے ہوئے گزرے تو یہ طوطا فوراً بلند آواز سے بولا کہ اے گنجے تو کس سبب سے گنجا ہوا تو نے بھی بوتل سے تیل گرا دیا ہوگا. طوطے کے اس قیاس سے لوگوں کو ہنسی آگئی کہ اس نے کمبل پوش فقیر کو بھی اپنے اوپر قیاس کیا. اس واقعہ سے رجوع کرتے ہوئے مولانا رومیؒ نصیحت فرماتے ہیں کہ۔

کار پاکاں را قیاس خود مگیر   گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

ترجمہ: اے عزیز! پاک لوگوں کے معاملے کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو. اگرچہ لکھنے میں شیر (یعنی دودھ) اور شیر (جانور) ایک طرح کا ہوتا ہے۔

مسائل السلوک از بیان القرآن پ ۹ سورۂ اعراف۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی والقی الالواح واخذ برأس اخیہ یجرہ الیہ۔

توجمہ مع تفسیر: اور دینی حمیت کے جوش میں جلدی سے توریت کی تختیاں ایک طرف رکھیں اور جلدی میں ایسے زور سے رکھی گئیں کہ اگر غور نہ کرے تو شبہ ہو کہ جیسے کسی نے پٹک دی ہوں اور ہاتھ خالی کرکے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کا سر یعنی بال پکڑ کر ان کو اپنی طرف گھسیٹنے لگے کہ تم نے کیوں پورا انتظام نہ کیا اور چونکہ غلبۂ غضب میں ایک گونہ بے اختیاری ہوگئی تھی اور غضب بھی دین کے لئے تھا اس لئے بے اختیاری کو معتبر قرار دیا جائے گا۔ اور اس اجتہادی لغزش پر اعتراض نہ کیا جائے گا۔

تفسیر روح المعانی والصواب ان یقال: انہ علیہ السلام لفرط حمیۃ الدینیۃ وشدۃ غضبہ للہ تعالیٰ لم یتمالک ولم یتماسک ان وقعت الالواح من یدہ بدون اختیار فنزل ترک التحفظ منزلۃ الالقاء الاختیاری نعبر بہ تغلیظا علیہ السلام فان حسنات الابرار سیآت المقربین۔ انتہی۔

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دینی حمیت کے غلبہ سے اور شدت غضب سے جو حضرت اللہ کے لئے تھا ایسی غیر اختیاری کیفیت طاری ہوئی جس سے ان کے ہاتھ سے توریت کی تختیاں گر گئیں اور ان کے مقرب بارگاہِ حق ہونے کے سبب ان کے ترک تحفظ کو القائے اختیاری سے تعبیر کیا گیا کیونکہ بقاعدہ مشہورہ حسنات الابرار سیئات المقربین حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام مرتبہ میں بڑے تھے کیونکہ ان کی رسالت اور ریاست مستقلاً تھی۔ اور یہ وزیر تھے اور بہت ہی نرم اور حلیم الطبع تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بال پکڑ کر کھینچنے میں قصد اہانت اور استخفاف کا نہ تھا۔ (روح المعانی ص ۶۷۔ پ ۹)

مسائل السلوک میں تفسیر مذکورہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

مسائل السلوک حکیم الامت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بہت سے نادان لوگ بعض اہل اللہ کی دینی شدت غضب اور فرط حمیت کو سوء اخلاق سے تعبیر کرتے ہیں۔ حاشاھم عن ذالک اور وہ پاک ہیں اس الزام سے اور اسی واقعہ سے شیخ کے غضب کا جواز مرید پر ثابت ہوتا ہے

اور ثابت ہوا کہ کاملین سے اجتہادی خطا کا صدور منافی کمال نہیں اور ان جاہل مریدوں کی بداعتقادی بھی ثابت ہوئی جو اپنے پیروں کو خطاؤں سے معصوم سمجھتے ہیں۔ (پ ۹۔ بیان القرآن ص ۴۲ مطبوعہ دہلی)

اہل نفس اور اہل اللہ کے غضب میں فرق!

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کا عذر قبول فرمایا اور فوراً دعا کی رب اغفرلی ولاخی وادخلنا فی رحمتک وانت ارحم الراحمین علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی خطائے اجتہادی کی مغفرت کے ساتھ ساتھ اپنے بھائی کی مغفرت کی دعا بھی مانگی تاکہ اپنے بھائی کا دل خوش کردیں اور دشمنوں کی شماتت اور طعن کو رفع کردیں اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبولین کو فوراً تلافی کی توفیق بھی عطا کی جاتی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے عین مواخذہ اور احتساب کے وقت بھی تحقیر اور اہانت کا قصد نہیں کرتے۔ حکیم الامت فرماتے ہیں کہ میں تو کسی سے عین باز پرس کے وقت بھی بحمداللہ اس کا استحضار رکھتا ہوں کہ یہ شخص مجھ سے لاکھوں درجہ افضل ہے اور یہ استحضار کوئی کمال کی بات نہیں اس لئے کہ موٹی بات ہے کہ کسی کو معلوم نہیں کہ عنداللہ اس کا کیا درجہ ہے مگر اصلاح کی ضرورت باز پرس پر مجبور کرتی ہے اور بعض اوقات جس پر میں مواخذہ کرتا ہوں وہ بات فی نفسہ اس درجہ کی نہیں ہوتی جس درجہ کا اس پر احتساب ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ میں اس کی منشاء کو دیکھتا ہوں اور بعض جرم منشاء کے اعتبار سے سخت ہوتا ہے اسی لئے ہر جرم میں یہ خیال کرنا چاہیئے کہ گو یہ صورۃً صغیرہ ہے مگر ممکن ہے کہ منشاء کے اعتبار سے یہ کبائر سے بھی بڑھ کے ہو اور اس لئے کہیں اس پر مواخذہ بڑا نہ ہو گو یہ اس کو ہلکا سمجھے ہوئے ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ کئی مرتبہ خیال ہوا کہ اس اصلاح کے کام کو چھوڑ دوں اور یہ چھوڑ دینا آسان ہے لیکن جب تک اس کو چھوڑا نہ جائے اس وقت تک اصلاح کا جو طریق ہے اس کے خلاف کرنے کو جی نہیں چاہتا اور مفید بھی نہیں ہوتا یہ تجربہ ہے کہ اگر نرمی سے بٹھلا کر سمجھا دیا جاوے اس کا قبیح ہونا اس کو معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن سیاست ہی کا طریق اختیار کرنا پڑتا ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۹۴ مطبوعہ ملتان) ہمارے مرشد حضرت پھولپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت حکیم الامتؒ کو ایسی شان محبوبیت عطا فرمائی تھی کہ لوگ ان کے دارو گیر پر فدا رہتے تھے اور متوحش نہ ہوتے تھے ہم لوگوں کو حضرت والا اس دارو گیر کے طرز سے منع فرمایا کرتے تھے کہ امت مسلمہ مبادا تم لوگوں کا ناز نہ اٹھا سکے۔

نوٹ:۔ علماء ربانین کا جب یہ مقام ہے تو انبیاء علیہم السلام کا کیا مقام ہوگا۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غضب چونکہ للہ تھا اس کی مثال سکر من المباح کی سی ہے جس میں مکلف نہیں رہتا اس پر دوسرے شخص کے غصہ کو جو نفس کے واسطے ہو قیاس نہیں کر سکتے بلکہ اس کی حالت سکر من المحرم کی سی ہے جس کو شارع سے عذر نہیں قرار دیا چنانچہ وقوع طلاق وغیرہ کا حکم معلوم ہے ونیز عادۃً ممکن ہے کہ شدت مشغول میں ذہول ہو گیا ہو کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے اور بھائی کو داروگیر کرنے کے لئے ہاتھ خالی کرنا ہو اس لئے القاء الواح واقع ہوا ہو جیسے اکثر کسی بات جیت یا کسی خیال کے غلبہ کے وقت ایسے اتفاقات پیش آجاتے ہیں اور بعض نے لکھا ہے کہ القی کے معنی ہیں جلدی سے رکھ دینا مجازاً و تشبیہاً القا سے تعبیر کیا۔ (بیان القرآن ج ۴ صہ ۴۵ مطبوعہ دہلی)

غیظ اور غضب میں فرق علامہ آلوسیؒ تفسیر روح المعانی میں والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ (۱) غضب وہ ہے جو جوارح اور انسان کے اعضاء اور چہرے سے ظاہر ہو جاوے بغیر اختیار کے۔

(۲) غضب کے ساتھ ارادہ انتقام شامل ہوتا ہے اور غیظ کے ساتھ ایسا نہیں۔

(۳) غضب کا اسناد اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح ہوتا ہے اور غیظ کا اسناد صحیح نہیں ہے۔

کظم غیظ کا مفہوم اصل الکظم شد رأس القربۃ عند امتلائہا اہل عرب جب مشک پانی سے بھر جاتا ہے تو اس کے منہ کو رسی سے باندھ دینے کا نام کظم رکھ دیا۔ اور عافین عن الناس کا مطلب یہ ہے کہ سزا کے مستحق کو درگذر کر دیا جائے۔ اذا لم یکن فی ذالک اخلال بالدین جبکہ معاف کرنے میں دین کا نقصان نہ ہو۔ (کذا فی الروح صہ ۵۸ ج ۴)

حکایت ایک صاحب کو غصہ کی بیماری تھی حکیم الامت تھانویؒ نے ان کو لکھنؤ انوار بکڈپو مولوی محمد حسن صاحب کاکوریؒ کے پاس بیٹھنے کا مشورہ دیا چند دن بیٹھنے سے ان کا غصہ کم ہونے لگا یہاں تک کہ معتدل ہو گیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ مولوی صاحب نے غصہ کے متعلق کبھی کوئی نصیحت نہیں کی پھر مجھے ایسا نفع کیوں ہوا؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ موصوف میں شانِ حلم غالب ہے صحبت سے ان کا حلم آپ کے اندر آہستہ آہستہ منتقل ہو گیا۔

حکایت ایک دن حضرت شیخ مولانا ذکریا صاحبؒ اپنے ایک ملازم کو ڈانٹ رہے تھے۔ ملازم نے عرض کیا معاف کر دیجئے شیخ نے فرمایا تم تو بار بار غلطی کرتے ہو، میں تمہارا کتنا بھگتوں؟ مولانا الیاس صاحبؒ شیخ

کے پیچا پاس بیٹھے ہوئے تھے فرمایا کہ مولانا اس کا اتنا بھگت لیجئے جتنا اپنا اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن بھگتوانا ہے۔

نسخہ اکسیر غضب

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کا مرتبہ علاج غضب

حسبِ ذیل امور کو دن میں متعدد بار اتنا پڑھے کہ غصہ کے وقت یاد رکھیں۔

۱۔ پوری اعوذ باللہ پڑھنا۔

۲۔ وضو کر لینا۔

۳۔ کھڑے ہوں تو بیٹھ جانا، بیٹھے ہوں تو لیٹ جانا۔

۴۔ جس پر غصہ آرہا ہو اس کے سامنے سے ہٹ جانا یا اس کو ہٹا دینا۔

۵۔ کسی صالح کی صحبت میں بیٹھ جانا۔

۶۔ ذکر اللہ میں مشغول ہو جانا، نیز درود شریف پڑھنا۔

۷۔ حتی الوسع بات نہ کرنا اور نہ کوئی معاملہ کرنا اس کے ساتھ جس پر غصہ آرہا ہے۔

۸۔ یہ سوچنا کہ غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو۔

۹۔ یہ سوچنا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا خطاوار ہوں اگر میری خطایا پر مواخذہ فرمایا جاوے تو نجات پانا مشکل ہے۔ نیز دوسروں کی خطایا سے درگزر کرنے پر امید ہے کہ میری خطایا بھی معاف ہو جاویں گی لہٰذا جس پر غصہ آرہا ہے اس سے درگزر کرنا ہی بہتر ہے۔

۱۰۔ اگر ہدایاتِ مجوزہ کے خلاف عمل ہو جائے تو ۵۰ پیسے تا دس روپے خیرات کرے اور چار رکعت نفل نماز پڑھے۔

حکایت حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کی جاریہ وضو کرا رہی تھی کہ لوٹا ان کے اوپر گر گیا اور وہ زخمی ہو گئے اور غصہ سے حضرت نے سر اٹھایا تو اس جاریہ نے پڑھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اور وہ لوگ غصہ کو پی جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنا غصہ پی لیا۔ پھر پڑھا اور وہ لوگ لوگوں کی خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے معاف فرماویں۔ پھر پڑھا اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو

خوب رکھتے ہیں۔ فرمایا جا تجھے آزاد کیا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے۔ (روح المعانی صہ ۵۹ پ ۴)

اللہ تعالیٰ کے غضب اور مخلوق کے غضب میں فرق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ اتقوا الغضب فانہ جمرۃ تتوقد فی قلب ابن آدم الم تروا الی انتفاخ اوداجہ وحمرۃ عینیہ

ترجمہ: غصہ آگ کا شعلہ ہے جو ابن آدم کے دل میں پیدا ہوتا ہے کیا نہیں دیکھتے تم اس کی گردن کی رگوں کے پھولنے کو اور اس کی آنکھوں کی سرخی کو۔ تعریف مذکور مخلوق کے غضب کی تعریف ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی۔ تعریف صاحب کشاف نے یہ کی ہے۔ ارادۃ الانتقام من العصاۃ وانزال العقوبۃ بہم۔ نافرمانوں سے انتقام کا ارادہ کرنا اور ان پر عذاب نازل کرنا۔ (روح المعانی صہ ۹۵ ج ۱)

امام راغب اصفہانی اپنی کتاب المفردات میں لکھتے ہیں کہ غضب نام ہے خون کے جوش مارنے کا۔ ارادہ کرنے انتقام کا اور غضب اللہ سے مراد اذا وصف اللہ تعالیٰ بہ فالمراد بہ الانتقام دون غیرہ۔ اور کثیر الغضب کو غضوب کہتے ہیں۔ سخت غصہ والے سانپ کو بھی غضوب کہتے ہیں۔ (المفردات صہ ۳۶۱)

غضب کے متعلق چند احادیث مبارکہ

حدیث ۱۔ حدیث شریف میں بروایت مشکوٰۃ ارشاد فرمایا گیا کہ غصہ ایمان کو برباد کرتا ہے (اس کے کمال اور نور کو) جیسا کہ ایلوا خراب کر دیتا ہے شہد کو۔ ایلوا کو حدیث میں صبر فرمایا گیا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اس لفظ کی دو لغت ہیں (۱) صَبِرٌ بفتح الصاد وکسر الباء ویسکن۔ (۲) صِبْرٌ بکسر الصاد وسکون الباء علی ما اشتہر علی الالسنۃ (مرقاۃ صہ ۳۱۶ ج ۹)

حدیث ۲۔ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ پہلوان وہ نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں کرے۔ مشکوٰۃ کی یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ لیس الشدید بالصرعۃ انما الشدید الذی یملک نفسہ عند الغضب (متفق علیہ)

صُرَعَۃ جیسے ھُمَزَۃ صاد پر ضمہ را پر فتحہ (مرقاۃ صہ ۳۰۶ ج ۹)

حدیث ۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ غصہ شیطان سے ہے (یعنی اس کے وسوسہ اور اثر سے ہے مرقاۃ) اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ صرف پانی ہی بجھا سکتا ہے پس جب تم میں سے کسی کو غصہ آجاوے وضو کرلے ابوداؤد شریف۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے

کہ جب غصہ آوے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ لے اور مرقاۃ میں ہے کہ اگر غصہ پھر بھی نہ دور ہو تو وضو کرے اور پھر بھی نہ دور ہو تو ۲ رکعت نماز پڑھ لے پس یہ صبر کی دوا ہے جو شیطان پر بہت ناگوار ہے (مرقاۃ ۳۱۲/۹)

حدیث ۴۔ "اہل غضب کی تین قسمیں"

مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف کے فصل ثانی میں بروایت ابو سعید خدریؓ ایک لمبی حدیث کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میں جو جلد غصہ ہوتا ہے اور جلد رجوع کرتا ہے یعنی سریع الغضب اور سریع الفئ ہوتا ہے فاحد لهما بالاخری ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص نہ مدح کا مستحق ہے نہ ذم کا مستحق ہوتا ہے اور وہ شخص جس کو دیر سے غصہ آتا ہے اور جلد زائل ہو جاتا ہے وخیارکم من یکون بطئ الغضب اور سریع الفئ ایسے لوگ تم میں سب سے خیر ہیں اور تم میں سب سے برے وہ لوگ ہیں جن کو غصہ جلد آتا ہے لیکن دیر سے زائل ہوتا ہے ، شرارکم من یکون سریع الغضب بطئ الفئ . ملا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ اس کے اخلاق ذمیمہ پر اخلاق حمیدہ غالب ہو جائیں لا انها تکون معدومة فیه بالکلیه نہ یہ کہ بالکل اس ذمیمہ یعنی غصہ کا وجود ہی نہ رہے (یعنی ازالۃ مقصود نہیں صرف امالۃ مقصود ہے) والیه الاشارۃ بقوله تعالیٰ والکاظمین الغیظ حیث لم یقل والعادمین . چنانچہ حق تعالیٰ شانہ نے والکاظمین فرمایا کہ غصہ اور غیظ کو ضبط کرتے ہیں یہ نہیں فرمایا کہ والعادمین اس کو معدوم کر دیتے ہیں (مرقاۃ ج ۹ صہ ۲۲۹)

حدیث ۵۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے زبان کی حفاظت کی (یعنی اپنے بھائیوں کا عیب چھپایا) اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو (انسانوں اور فرشتوں سے) چھپائیں گے اور جس نے غصہ روک لیا (لوگوں پر) اللہ تعالیٰ اپنا عذاب قیامت کے دن اس پر فرمائیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے معافی اور معذرت کا طالب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول فرماتے ہیں . (مرقاۃ ج ۹ صہ ۳۱۸)

معالجات غضب از تربیت السالک
مصنفہ حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

(۱) ایک صاحب غضب کے سوال کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں کہ سرعت غضب امر طبعی ہے اختیار سے خارج ہے نہ اس پر ملامت ہے البتہ اس کے

مقتضا پر عمل جبکہ حدود سے تجاوز ہو جاوے مذموم ہے اور اس کا علاج بجز ہمت کے کچھ نہیں اس ہمت میں مغضوب علیہ سے فوراً دور چلا جانا اور اعوذ باللہ پڑھنا اور اپنی خطاؤں اور حق تعالیٰ کے غضب کے احتمال کو یاد کرنا یہ بہت معین ہے اور نرمی وغیرہ۔ مدت تکلیف سے سوچ سوچ کر اختیار کرنا چاہئے مدت کے بعد ملکہ ہو گا ہمت نہ ہارئیے۔ (تربیت السالک ج ۱ ص ۲۴۶)

(۲) ایک سوال کے جواب میں ارقام فرمایا کہ غصہ کے وقت تھوڑی سی ہمت کی ضرورت ہے کہ جس پر غصہ ہے اس کو اپنے روبرو سے علیحدہ کردے یا خود علیحدہ ہو جائے اور پھر کبھی غلطی ہو جائے تو اس کا تدارک بھی جو الغریز کا معمول ہے کافی ہے اور اس کا شبہ نہ کیا جائے کہ شاید دل سے معاف نہ کیا جاوے کیونکہ انسان اس سے زیادہ کا مکلف نہیں کہ اپنی طرف سے دل سے راضی کرنے کی کوشش کرے اس سے آگے اختیار نہیں تو اس کا مکلف بھی نہیں۔ (تربیت السالک ج ۱ ص ۲۴۸)

(۳) ایک اور سوال کے جواب میں فرمایا کہ جس وقت غصہ آوے اس وقت یہ سوچو کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر اس طرح غصہ کرنے لگے تو آخر میں بھی چاہوں گا کہ معاف ہو جائے تو مجھ کو چاہیئے کہ اس شخص کو بھی معافی دے دوں اور یہ سوچو کہ یہ شخص میرا اتنا خطا وار تو ہو گا بھی نہیں جتنا میں اللہ تعالیٰ کا گنہگار ہوں پھر جب میں معافی کا آرزومند ہوں تو اس کو کیوں نہ معاف کردوں۔ دوسرا کام یہ کرے کہ فوراً وہاں سے جدا ہو جائے یعنی اس جگہ نہ رہے جب تک غصہ بالکل فرو نہ ہو جاوے انشاء اللہ تعالیٰ اس تدبیر سے اس کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ تیسرا کام یہ کرے کہ کوئی وقت معین کر کے اپنے عیوب کو مستحضر کیا کرے اور سوچا کرے کہ میں سب سے بدتر ہوں اس سے کبر کی جڑ کٹ جائے گی اور غصہ کا منشا کبر ہی ہے اور غصہ کے وقت یہ خیال کر لیا کرے کہ تو تو سب سے بدتر ہے۔ اپنے سے بڑے شخص پر غصہ نہ آنا چاہیئے۔

(تربیت السالک ج ۱ ص ۲۴۹)

(۴) ایک صاحب نے لکھا تھا کہ لوگوں کو معاصی کا ارتکاب کرتے دیکھ کر انہیں سخت غصہ آتا ہے اور ضبط نہیں ہوتا اور غصہ میں سختی کے ساتھ بات چیت کی نوبت آجاتی ہے جواب میں ارقام فرمایا کہ یہ حالت بری نہیں ہے ہاں کبھی ضعف تحمل سے تجاوز عن الاعتدال کا اندیشہ ضرور ہے۔ حتی الامکان اعتدال سے تجاوز نہ ہونے پائے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ کسی عاصی کو حقیر نہ سمجھا جائے گو اس پر غصہ آئے اس غصہ کے وقت یہ بھی سوچا جائے کہ ہم میں اس سے بھی زیادہ عیوب ہیں۔

میراث تقسیم کرنا فرض ہے

مَردوں کے لئے بھی (خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے) حصّہ (مقرر) ہے اس چیز میں سے
جس کو (اُن مَردوں کے) ماں باپ اور (یا + دوسرے) بہت نزدیک کے قرابت دار
(اپنے مرنے کے وقت) چھوڑ جائیں، اور (اسی طرح) عورتوں کے لئے بھی (خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی)
حصّہ (مقرر) ہے اُس چیز میں سے جس کو عورتوں کے ماں باپ اور (یا دوسرے) بہت
نزدیک کے قرابت دار (اپنے مرتے وقت) چھوڑ جائیں، خواہ وہ چھوڑی
ہوئی چیز قلیل ہو یا کثیر ہو (سب میں سے حصّہ ملے گا) حصّہ بھی ایسا
جو قطعی طور پر مقرر ہے۔ ———— (سورۂ النساء)

تشریح: آج یتیموں، بیواؤں اور خواتین پر یہ ظلم و ستم معاشرہ میں جاری ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد بالغ اور طاقت ور اولاد باپ کے تمام مال و جائیداد پر قبضہ کر لیتی ہے۔ نابالغ لڑکے محروم رہ جاتے ہیں، بہنوں اور بیٹیوں کا تو کوئی حق ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اسلام نے سب سے پہلے اس ظلم کو دُور کیا، نابالغ یتیم بچوں اور خواتین خواہ بالغ ہوں یا نابالغ ان کو وارث قرار دیا اور ان کے حصّے مقرر کئے اور ان کا حق ادا کرنا فرض قرار دیا۔ اور عام مسلمانوں کو خطابِ عام کر کے حکم دیا کہ مرنے والے کا ترکہ اس کی اولاد اور ورثاء کو پورا پورا پہنچایا جائے، اور ہر ایسے طریقے سے پرہیز کیا جائے جس سے اس کی اولاد اور دیگر ورثاء کو حصّہ نہ پہنچنا تو درکنار، نقصان پہنچنے کا بھی خطرہ نہ رہے۔

مولانا عبدالشکور صاحب کشمیری
مدرس نصرت العلوم گوجرانوالہ

اسلام اور پردہ چند حقائق

گزشتہ دنوں روزنامہ جنگ میں جناب پروفیسر وارث میر صاحب کا مضمون "عورت پردہ اور جدید زندگی کے مسائل" کے عنوان سے کئی قسطوں میں شائع ہوا۔ جناب وارث میر صاحب نے اپنے مضمون میں اسلام میں عورت کو دیئے گئے مقام سے ہٹ کر مغربی تہذیب کو حق و صواب کا معیار بنایا ہے اور اس غرض کے لئے قرآن کریم کی نص قطعی، احادیث متواترہ و مشہورہ اور اجماع امت کی بھی کوئی پروا نہیں کی۔ موصوف نے اپنے مضمون میں موجودہ برسر اقتدار حکومت کو بھی نشانہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے اس مضمون میں غلط باتیں اتنی زیادہ ہیں کہ ایک مختصر مضمون میں ان سب پر تبصرہ ممکن نہیں۔ زیر نظر مضمون میں ہم صرف اسلام میں عورت کے مقام اور پردہ پر مختصر بحث کرنا چاہتے ہیں:۔

اسلام سے پہلے عورت کی جو حالت تھی اور اس پر جو انسانیت سوز مظالم ڈھائے جاتے تھے وہ تاریخ کے اوراق میں آج بھی موجود ہیں، لیکن ان واقعات پر ہماری نگاہ نہیں جاتی جب کہ اسلام سے پہلے عورتوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا۔ عہدِ جاہلیت کے دور میں عورتوں پر کئے گئے مظالم سے ہر ایک کسی نہ کسی درجہ میں واقف ہے۔ آیئے ہم آپ کو مغربی تہذیب کے دور کے ایک دو واقعات کی طرف راہنمائی کرائیں۔

ڈاکٹر کلوڈ سیل برٹن روزنامہ ٹائمز لندن کے ایک ایڈیٹر کو خط میں تحریر کرتے ہیں کہ "آپ کے اخبار کے پچھلے نمبر میں جو اقتباس بیوی کی فروخت سے متعلق سو سال قبل کے ٹائمز سے نقل ہوا ہے اس نے مجھ کو جارج ڈبنسی کریس کی بیان کی ہوئی روایت یاد دلائی۔ اپنے بچپن میں وہ ایک بار اپنے چچا کے ساتھ نارفوک کی سڑک پر جا رہے تھے۔ سڑک کے کنارے انہیں ایک کاشتکار کھڑا ہوا ملا۔ اس کے ساتھ ایک عورت تھی جس کے گلے میں رسی اس

طرح بڑی ہوئی تھی کہ گویا وہ بکری کا بچہ ہے۔ اس عورت کو راگیروں کے ہاتھ ۱۱ اشلنگ میں بیچا تھا۔ چنانچہ ایک دوسرے کاشت کار نے اس کو خرید لیا ہے۔ اس راوی کی عمر کا اندازہ کر کے کہتا ہوں کہ یہ واقعہ ۱۸۲۲ء سے بہت بعد کا ۱۸۴۰ء کا ہے۔ بحوالہ:۔ اسلام میں غلامی کی حقیقت ص۲۳۵ آگے جا کر لکھتے ہیں کہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ آج سے چالیس سال قبل کے روزناموں میں یہ واقعہ چھپا تھا کہ گرینڈ جنکشن کنال کے ایک ملاح نے اپنی بیوی کو ایک دوسرے ملاح کے ہاتھ چار پنس کی قیمت میں فروخت کر دیا تھا۔ اور اس کا مقدمہ بھی چلا تھا۔ الخ لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۲ء کے موسم گرما میں ڈین اور آنیشام کے درمیان اپنی موٹر سائیکل کی مرمت کے لئے اترا تھا۔ پاس ہی خانہ بدوشوں کا ایک ڈیرا تھا۔ میں مرمت کر رہا تھا کہ ایک مرد اور ایک عورت کچھ ٹوکریاں لئے ہوئے آئے مرد نے کہا ایک ٹوکری خرید لو۔ میں نے انکار کر دیا۔ بعد ازاں اس نے ایک چھڑی بیچنی چاہی۔ جب اس سے بھی میں نے انکار کر دیا تو دو شلنگ کے معاوضہ میں اپنا کرتا دینا چاہا۔ آخر میں اس نے چلا کر کہا اور کچھ نہیں تو ڈھائی شلنگ میں اپنی عورت کو بیچتا ہوں۔ الخ حوالہ مذکورہ بالا موجودہ ترقی یافتہ دور اور مغربی تہذیب کی اس صدی کے ایک دو واقعات سے اندازہ لگائیں کہ اسلام کے علاوہ باقی مذاہب میں عورت کا کیا مقام ہے اور اس کو کتنا ذلیل سمجھا جاتا ہے کہ دو ڈھائی شلنگ بھی اس کی قیمت نہیں جب کہ اسلام میں عورت کا مقام اور اس کی حیثیت ایک بادشاہ کی سی ہے۔

اسلام نے جہاں ہر حقدار کو اس کا حق دیا۔ اسی طرح عورت کو پوری قوت کے ساتھ اپنی دامن حمایت کے سایہ میں لیا۔ ناموس نسوانی کی قدر و قیمت کے سوال کو زندہ کیا۔ اس راہ میں کسی قسم کی چشم پوشی روا نہ رکھی۔ بدکاری اور بے آبروئی کے جتنے سرچشمے تھے ان کو ایک ایک کر کے بند کیا۔ ازدواجی تعلقات کے آئین و قانون کو حدود میں لاکر جنسی میلانات کو اعتدال و ضابطے کا پابند بنایا اور نسل انسانی کے اضافہ کے صحت بخش طریقے نافذ کئے۔ عائلی زندگی کو خوشگوار ماحول کے قالب میں مکمل طور پر ڈھالا۔ بجائے لعنت کے عورت رحمت و سکنت کا مظہر ٹھہرائی گئی۔ اور ازدواجی زندگی کو ضروری قرار دیا۔ چنانچہ قرآن نے سب سے پہلے عورت کی حیثیت کا اعلان کیا۔ "اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں" سورہ النساء۔ اس کے علاوہ قرآنِ پاک میں کئی مقامات پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں عورت کی حیثیت کا اعلان کیا۔ اسلام ایسا فطری مذہب ایسا کیوں نہ کرتا کیونکہ کوئی مرد ایسا نہیں ہے جس کی پیدائش میں عورت کی شرکت نہ ہو تو پھر مرد کو کیا حق ہے کہ مردوں کو باعزت اور عورت کو حقیر و ذلیل سمجھے۔ انسانی جسم کی بناوٹ میں مرد کے ساتھ عورت کا حصہ بھی شریک ہے بلکہ طبعی تحقیقات سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ عورت ہی کا حصہ اس کی تعمیر میں زیادہ خرچ ہوتا ہے عورت جب ماں بن کر بچے کو اپنے پیٹ میں رکھتی ہے پھر اسے جنتی ہے، پرورش کرتی ہے، دودھ پلاتی ہے۔ ذرا غور تو کریں کہ مرد اس کے مقابلے میں بچے کے لئے کچھ بھی کرتا ہے۔ عورت ہی کے پیٹ میں ہم شکل و صورت پاتے ہیں۔ اس میں ہماری جان کا تعلق ہمارے جسم کے ساتھ قائم ہوا۔ بھلا اسی عورت کا وجود ہمارے لئے ننگ و عار بن جائے۔ تو کتنے شرم کی بات ہے۔ عورت نے اس وقت ہماری پرداخت کی جب ہم میں چلنے

پھرنے کی سکت نہ تھی۔ بولنے اور اپنی تکلیف و ضرورت بتانے کی طاقت نہ تھی، اس نے ہمیں چلنے کی قوت عطا کی اور اس نے سن شعور تک ہماری خدمات کیں۔ بایں ہمہ عورت ذلیل و حقیر ہوگئی۔ تعجب ہے اس عقل پر جو یہ سوچے، پھٹکار ہے اس زبان پر جو اس خیال کو ظاہر کرے اور ملعون ہے جو اپنے دل میں اس قسم کے بے ہودہ وسوسوں کو جگہ دے۔

غرضیکہ اسلام ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ عورت باعث حقارت ہرگز نہیں۔ ذاتی شرف و کرامت میں کسی طرح کم نہیں اور عورت کی توہین کرنا انسانیت کی تحقیر کی بدترین شکل ہے۔

ماں کے روپ میں عورت کا احترام

اسلام نے اس اعتبار سے بھی عورتوں کی عزت بڑی بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا اور اس کی محبت جو اولاد کے ساتھ زیادہ ہوتی ہے اس کو جتایا اور قرآن پاک میں ماں باپ کے ساتھ صراحتاً یہ حکم دیا کہ کبھی اُف تک بھی نہ کہو۔ ظاہر اور باطن میں ماں کی عزت کرو۔ اور زبان نرم ہو اور قلب میں جھکاؤ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ماں سب سے زیادہ تمہاری تعظیم و تکریم کی مستحق ہے۔ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے بغیر ماں باپ کی خوشنودی کے جنت کا دروازہ تم پر روانہ ہوگا" اس طرح کی بیسیوں احادیث میں ماں کی غیر معمولی تکریم کا حکم دیا گیا۔ اسلامی تعلیمات میں اس کی صداقت موجود ہے کہ عورت صرف نسل افزائی اور مردوں کی فقط خدمت گزار ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ بھی دنیا میں عروج اور قدر و منزلت کی اسی طرح مستحق ہے جیسے مرد۔ اس طرح کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

لیکن وارث میر صاحب پردہ کی اسلامی حدود کو توڑ کر خالص مغربی تہذیب کی طرز پر عورتوں کو مردوں کے برابر لانا چاہتے ہیں حالانکہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ مردوں اور عورتوں میں بے حجابا اختلاط کو دنیا کی تاریخ میں حضرت آدم علیہ السلام سے۔ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی زمانے میں درست نہیں سمجھا گیا اور صرف اہلِ شرائع ہی نہیں دنیا کے تمام شریف خاندانوں میں ایسے اختلاط کو روا نہیں رکھا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفرِ مدین کے وقت جن دو عورتوں کا اپنی بکریوں کا پانی پلانے کے لئے الگ رو کے ہوئے کھڑے ہونے کا ذکر ہے اس کی وجہ یہی بتائی گئی ہے کہ ان عورتوں نے مردوں کے ہجوم میں جانا پسند نہیں کیا سب کے سب بچے ہوئے پانی پر قناعت کی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت پہلی آیت حجاب نازل ہوئی ہے اس کے نازل ہونے سے پہلے جامع ترمذی کی روایت میں ان کی گھر میں نشست کی یہ صورت بیان کی ہے کہ وہ اپنا رخ دیوار کی طرف پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں اس سے معلوم ہوا کہ نزول حجاب سے پہلے بھی عورتوں، مردوں میں بے حجابا اختلاط اور بے تکلف ملاقات و گفتگو کا رواج شریف اور نیک لوگوں میں کہیں نہیں تھا۔

قرآن کریم میں جس جاہلیت اولیٰ اور اس میں عورتوں کے تبرج و ظہور کا ذکر ہے وہ بھی عرب کے شریف خاندانوں میں نہیں، بلکہ لونڈیوں اور آوارہ عورتوں میں تھا۔ عرب کے شریف خانہ ان اس کو معیوب سمجھتے تھے۔ عرب کی پوری تاریخ اس کی شاہد ہے۔ در ہندوستان میں "ہندو" "بدھ مت" اور دوسرے مشرکانہ مذاہب والوں

میں عورتوں و مردوں کے درمیان بے حجابا اختلاط گوارا نہ تھا۔ آج کل مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کے ہوئے اور بازاروں اور سڑکوں پر پریڈ کرنے اور تعلیم سے لے کر ہر شعبۂ زندگی میں مرد و زن کے بے تکلف اختلاط، ضیافتوں اور کلبوں میں بے تکلف ملاقاتوں کا سلسلہ صرف یورپین اقوام کی بے حیائی اور فحاشی کی پیداوار ہے جس میں دوسری اقوام بھی اپنے ماضی سے ہٹ جانے کے بعد مبتلا ہوئی ہیں۔ قدیم زمانے میں ان کی بھی یہ صورت نہ تھی۔ حق تعالیٰ نے جس طرح عورت کی جسمانی تخلیق کو مردوں سے ممتاز رکھا ہے اسی طرح ان کی طبیعتوں میں ایک فطری حیا کا جوہر بھی رکھا ہے جو ان کو فطری طور پر عام مردوں سے الگ تھلگ رہنے اور ستر پر آمادہ کرتا ہے اور یہ فطری اور طبعی حیا کا پردہ عورتوں اور مردوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے حائل رہا ہے۔ ابتدائے اسلام میں بھی باہمی پردہ کی یہی نوعیت تھی۔ پردہ نسواں کی یہ خاص نوعیت کہ عورتوں کا اصل مقام گھروں کی چار دیواری ہو اور جب کسی شرعی ضرورت سے باہر نکلنا ہو تو پورے بدن کو چھپا کر نکلیں۔ یہ ہجرت مدینہ کے بعد ۵ھ میں جاری ہوا ہے۔

مرد اور عورت کی مساوات کا نعرہ

جو لوگ مرد اور عورت کی مساوات کے قائل ہیں ان سے ہی اس بات کی وضاحت مطلوب ہے۔ آج تک مرد اور عورت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کا کیا تناسب ہے؟ کتنی عورتیں آج تک وزیراعظم بنیں؟ کتنی فوج کے اعلیٰ عہدوں پر فائز کی گئیں۔ نعرہ لگانے والا کوئی شخص ان معاملات میں مساوات ثابت نہیں کر سکتا۔ تو اس نتیجہ میں بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ مرد اور عورت کے خلقی، جنسی فرق اور بہت سی حیثیتوں سے دونوں کے اختلاف بلکہ ان کے تضاد کو سامنے رکھتے ہوئے بھی دونوں کے درمیان ہمہ جہتی مساوات کا نعرہ لگانا جذباتیت اور بے عقلی کے سوا کچھ نہیں۔ دنیا کا یہ مسلمہ قانون ہے کہ بیوی کا نفقہ خاوند کے ذمہ ہے مگر ایسا کہیں نہیں سنا گیا کہ خاوند کا نفقہ بیوی کے ذمہ ہو (بعض استثنائی اور مجبوریوں کی صورت کو چھوڑ کر) ہم اس بات کے اظہار میں معذرت کئے بغیر علی الاعلان یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے واضح طور پر بعض احکام میں مرد اور عورت کے درمیان ان کے طبعی اور قدرتی فرق کی بناء پر فرق ملحوظ رکھا ہے۔ اور قرآن و حدیث میں واضح الفاظ میں اس کا ذکر موجود ہے۔

قرآن سے ثبوت

سورہ بقرہ میں ہے کہ عورتوں کے مردوں پر حقوق ایسے ہی ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر، لیکن مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے اور سورہ نساء میں ہے کہ مرد عورتوں کے نگران اور سربراہ ہیں کیونکہ قدرتی طور پر اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ہے اور اس لئے بھی کہ مرد ہی عورتوں پر خرچ کرتے اور ان کے اخراجات برداشت کرتے ہیں

احادیث سے ثبوت

میں نے عقل و دین دونوں میں ناقص (ہونے کے باوجود ان) عورتوں سے زیادہ بہایت دانا مرد کی عقل پر پردہ ڈال دینے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ پس تم اگر اس کو سیدھا کرنے لگو تو توڑ دو گے اور یوں ہی چھوڑ دو گے تو کجی باقی رہے گی۔ مطلب یہ کہ عورت کے مزاج میں تھوڑی سی کجی ہے اور عورت کی جسمانی ساخت بچوں کی جسمانی ترکیب سے قریب تر ہوتی ہے۔ اس لئے عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ وہ بچوں کی طرح جلد متاثر

اور منفعل ہوتی ہے۔ فرحت و کلفت، خوف و مسرت کے احساسات جلد ہی اس پر طاری ہو جاتے ہیں اور چونکہ اس میں عقلیت اور غور و فکر کی قوت کو کچھ زیادہ دخل نہیں ہوتا۔ اس لئے جلد ہی یہ تاثرات اس سے زائل بھی ہو جاتے ہیں اور اکثر دیرپا ثابت نہیں ہوتے۔ اسی بناء پر عورت متلون اور غیر مستقل ہوتی ہے۔ مشہور فلسفی بردوون کہتا ہے عورت کا وجدان مرد کے وجدان سے کمزور ہوتا ہے جتنی کہ اس کی عقل مرد کی عقل سے کم ہوتی ہے۔ اس کے اخلاقی پیمانے بھی مرد سے مختلف ہوتے ہیں۔ الی آخرہ (دائرۃ المعارف ج ۸ ص ۵۹۶) ڈاکٹر دوفارینی دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ عورت جسمانی طور پر ہر لحاظ کے بقدر مرد سے کمزور ہوتی ہے اور اس کی حرکات میں پستی و توازن کی کمی ہوتی ہے۔ اس کا قلب بھی جو زندگی کا مرکز ہے۔ ا گرام کے بقدر مرد سے چھوٹا اور ہلکا ہوتا ہے اور اس کے سانس کا نظام بھی مرد سے کم ہوتا ہے اور حرارت بھی کم ہوتی ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مرد کی ایک گھنٹے میں گیارہ گرام حرکت غریزی کم ہوتی ہے اور عورت کی چھ گرام سے کچھ زائد۔ الخ دائرۃ المعارف ج ۸ ص ۵۹۹ صفحہ ۶۰۰۔ قرآن و احادیث اور ماہرین طبیعات کے حوالوں سے بھی یہ بات ثابت ہوگی کہ عورت اور مرد میں جسمانی اعتبار سے فرق ہے تو احکام کے اعتبار سے فرق ہونا فطری اور لازمی بات ہے۔

سترِ عورت کے احکام اور حجاب النساء میں فرق

مرد و عورت کے بدن کا وہ حصہ جس کو عربی میں عورت اور فارسی میں ستر کہتے ہیں جس کا سب سے چھپانا شرعی، طبعی اور عقلی طور پر فرض ہے اور ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض جس پر عمل ضروری ہے وہ ستر عورت ہے اور یہ فریضہ ابتدائے آفرینش سے فرض ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں فرض رہا ہے بلکہ شرائع کے وجود سے پہلے بھی جب جنت میں شجر ممنوعہ کھا لینے کے سبب حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا جنتی لباس اتر گیا اور ستر کھل گیا تو وہاں بھی حضرت آدم علیہ السلام نے ستر کھلا رہنے کو جائز نہیں سمجھا۔ اسی لئے آدم و حوا دونوں نے جنت میں درخت کے پتے اپنے ستر پر باندھ لئے۔ غرض کہ ہر نبی کی شریعت میں ستر چھپانا فرض رہا ہے۔ ستر اور حجاب دو الگ الگ مسئلے ہیں۔ ستر عورت ہمیشہ سے فرض ہے اور ستر مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے اور حجاب صرف عورتوں پر۔ ستر لوگوں کے سامنے اور خلوت دونوں میں فرض ہے۔ حجاب صرف اجنبی کی موجودگی میں۔ پردے کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ اصلی مطلوب شرعی حجاب اشخاص ہے۔ یعنی عورتوں کا وجود اور ان کی نقل و حرکت مردوں کی نظروں سے مستور ہو جو گھروں کی چار دیواری وغیرہ کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ اس اعتبار سے پردہ کے تین درجے ہیں۔ اس

کا پہلا درجہ جو مطلوب شرعی ہے وہ حجاب اشخاص ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں رہیں لیکن شریعت اسلامیہ چونکہ ایک جامع اور مکمل نظام ہے جس میں انسان کی تمام ضروریات کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اس میں ظاہر ہے کہ عورتوں کو ایسی ضرورتیں پیش آنا ناگزیر ہیں کہ جن کی وجہ سے ان کو گھر سے نکلنا ضروری ہو۔ اس کے لئے پردہ کا دوسرا درجہ قرآن و سنت کی روشنی میں یہ ہے کہ عورت سر سے پاؤں تک برقعہ یا لمبی چادر میں پورے بدن کو چھپا کر نکلے۔ راستہ دیکھنے کے لئے چادر میں سے صرف ایک آنکھ کھولے یا برقعہ میں جو جالی آنکھوں کے سامنے استعمال کی جاتی ہے وہ لگا لے۔

پردہ کا دوسرا درجہ بھی پہلے کی طرح تمام علماء و فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس

کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب کسی مجبوری سے گھروں سے نکلیں تو ان چادروں سے چہروں کو ڈھانپ دیں جو سروں کے اوپر اوڑھ رکھی ہیں اور راہ چلنے کے لئے صرف ایک آنکھ ظاہر کریں (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر)

تیسرا درجہ پردہ کا کہ عورتیں جب کسی مجبوری کی وجہ سے باہر نکلیں تو ضرورت کی بناء پر اپنا چہرہ اور ہتھیلیاں کھول سکتی ہیں بشرطیکہ سارا بدن مستور ہو۔ اور ان کے کھولنے کی وجہ سے فتنے میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر ان سے فتنے کا اندیشہ ہو تو ان کا کھولنا ناجائز ہے۔ مذکورہ بالا تیسری صورت میں جو ضرورت کی بناء پر باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ چند پابندیوں کے ساتھ ۱؎ یہ کہ خوشبو نہ لگائے ہوئے ہو ۲؎ بجنے والا زیور نہ پہنا ہو۔ ۳؎ راستے کے کنارے پر چلے ۴؎ مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہو وغیرہ۔

چہرہ وغیرہ کھولنے کے مسئلہ پر اختلاف ائمہ۔

ائمہ اربعہ میں امام مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ہاتھ اور چہرہ کھولنے کی مطلقاً اجازت نہیں خواہ فتنہ کا خوف ہو یا نہ ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگرچہ ضرورت کی بناء پر کھولنے کی اجازت ہے مگر فتنہ کا خوف نہ ہونا شرط قرار دیا ہے اور اب چونکہ عادتاً یہ شرط مفقود ہے اسی لئے فقہاء حنفیہ نے بھی غیر محرموں کے سامنے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت نہیں دی۔ فتح القدیر میں ہے کہ کسی عضو کے ستر میں داخل نہ ہونے اور اس کی طرف نظر کے جائز ہونے میں کوئی تلازم نہیں۔ کیونکہ نظر کا جواز تو اس پر موقوف ہے کہ جنسی خواہش کا خطرہ نہ ہو۔ حالانکہ وہ عضو ستر میں داخل نہیں۔ اسی وجہ سے اجنبی عورت کے چہرے یا کسی بے ریش لڑکے کے چہرے کی طرف نظر کرنا حرام ہے جب کہ جنسی خواہش پیدا ہونے میں شک ہو۔ حالانکہ چہرہ ستر میں داخل نہیں۔ الخ (فتح القدیر ص ۱۸۱/۱)

المبسوط للسرخسی میں ہے۔ "یہ چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف نظر کا جائز ہونا صرف اس صورت میں ہے جب کہ نظر شہوت سے نہ ہو اور اگر دیکھنے والا جانتا ہے کہ چہرہ دیکھنے سے برے خیالات پیدا ہو سکتے ہیں تو اس کو کسی عورت کی کسی چیز کی طرف بھی نظر کرنا حلال نہیں۔ الخ (المبسوط ص ۱۵۲/۱۰)

صاحب شامی لکھتے ہیں کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نظر شہوت نہ ہونے کی شرط زمانہ سلف میں تھی۔ اب ہمارے زمانہ میں قطعاً عورت کی طرف نظر ممنوع ہے مگر کسی ضرورت شرعیہ سے نظر کرنا پڑے جیسے قاضی یا شاہد جن کو کسی معاملہ میں ان عورت کے متعلق شہادت یا فیصلہ دینا پڑے (ملاحظہ ہو شامی کتاب الحظر والاباحہ جلد ۶) دوسرے مذاہب کے لئے ملاحظہ ہو کتاب الام للشافعی، المغنی لابن قدامہ، بدایۃ المجتہد وغیرہ۔

مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ حجاب اور ستر کی تفصیل اور چہرہ اور ہاتھ وغیرہ کھولنے کے مواقع کی مکمل بحث ہے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ چہرہ اور ہاتھوں کا چھپانا بھی موجودہ دور میں ضروری ہے۔ صحیح بخاری شریف کتاب الادب میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ وہ اور ابو طلحہؓ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے۔ آپ کے ساتھ ام المومنین حضرت صفیہؓ بھی سوار تھیں۔ راستے میں اچانک اونٹ کو ٹھوکر لگی اور ابو طلحہؓ کے بیان کے مطابق آپ اور حضرت صفیہؓ اونٹ

سے گر گئے تو ابوطلحہؓ آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا اللہ تعالیٰ مجھے آپؐ پر قربان کردے۔ آپؐ کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔ آپؐ نے فرمایا نہیں، تم عورت کی خبر لو۔ ابوطلحہؓ نے پہلے تو اپنا چہرہ کپڑے میں چھپالیا پھر حضرت صفیہؓ کے پاس پہنچے اور ان کے اوپر کپڑا ڈال دیا تو وہ کھڑی ہوگئیں پھر اسی طرح پردہ مستور ان کو سواری پر سوار کرایا۔ یہ واقعہ حادثہ کی صورت میں پیش آیا۔ تو اس میں بھی کتنی احتیاط کی کہ پہلے خود پردہ کیا اور بعد میں حادثے میں زخمی عورت کو اٹھایا۔ اس حدیث سے اس کی وضاحت ہے کہ زخمی عورت کو اٹھانے میں مرد کو پردہ کرنا چاہیئے۔

وارث میر صاحب لکھتے ہیں کہ اب علماء سمیت سب کی بیٹیاں گھروں سے چل کر تعلیمی اداروں تک پہنچ چکی ہیں۔ عرض ہے کہ علماء نے تعلیم حاصل کرنے سے کبھی منع نہیں کیا بلکہ اس طرح تعلیم جس میں بے پردگی اور بے حیائی، عیاشی اور فحاشی ہو اس سے منع کیا ہے۔ اگر کوئی شخص خواہ وہ عالم دین ہو یا کوئی دوسرا شخص ہو کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی اولاد کو تعلیم کے بہانے بے دین اور بے حیا بنائے۔ احقر نے خود کراچی یونیورسٹی میں بعض عورتوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ مکمل پردہ میں یونیورسٹی جاتی تھیں۔ ایسا پردہ کہ ظاہری پردہ کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی ساٹھ سالہ بوڑھی جارہی ہے۔ حالانکہ غالب گمان یہ ہے کہ وہ نوجوان عورتیں تھیں اور ایسی عورتوں کو بھی ان آنکھوں سے دیکھا کہ یونیورسٹی کے باہر غیر محرم لڑکوں کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اور کندھے پر ہاتھ رکھ کر رنگ رلیاں منا رہے ہیں تو یہ بھی مسلمان بیٹیاں مگر شرم وحیا کی رمق ان میں نظر نہیں آتی۔ ایسی تعلیم کو کون شریف آدمی جائز قرار دے سکتا ہے۔ موصوف نے اس کا اظہار بھی کیا ہے کہ بعض حلقے عورتوں کو ملک میں کھیلوں میں شرکت کے تو قائل ہیں مگر بیرون ملک بھیجنے کے لئے تیار نہیں اور حکومت مذہبی سیاست کے دباؤ کو برداشت نہیں کر سکتی۔ بات دباؤ کی نہیں بات ہے اسلام کی اور قرآن وحدیث کی۔ اگر اسلام میں ایک چیز کی اجازت نہیں تو یہ اسلامی ملک کی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کو ناجائز قرار دے کر اس کو ممنوع قرار دے۔ اگر حکومت ایسا نہ کرے تو تمام مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اسلامی شریعت کے خلاف ہونے والے کسی کام کے خلاف آواز بلند کریں۔ مسلمانوں کے متفقہ مسئلے کو مذہبی سیاست کہنا اسلام سے دوری کی واضح نشانی ہے۔

موصوف لکھتے ہیں کہ اکثر انڈونیشیا اور ملائشیا وغیرہ میں مسلمان ممالک کی عورتیں بھی تو مختلف کھیلوں میں شرکت کرتی ہیں۔ لیکن عرض ہے کہ کسی مسلمان کا ملک میں ناجائز اور حرام فعل کرنا اس کے جواز ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ جواز کے لئے قرآن وحدیث اور اسلامی تاریخ کی کوئی ایسی مثال دلیل بن سکتی ہے لیکن قرآن وحدیث میں اس طرح کی کوئی ایک مثال بھی نہیں تھی۔ اس وقت دنیا میں فحاشی اور زنا کے جتنے مقدمات ہیں ان سب کی بنیاد عورت کی بے پردگی ہے۔ اور عورت کو گھر کی چار دیواری سے نکال کر باہر لانے میں ان حریت پسند لوگوں نے عورت کو دھوکا دیا ہے۔ ابتداء میں ان کے نعرے میں آگئی کہ واقعتہً ہمیں گھر میں بند کرکے ہم پر ظلم کیا جارہا ہے لیکن جب باہر نکل کر صبح سے شام تک دفتر کا کام اور گھر جاکر گھر کا کام اور اولاد کی دیکھ بھال کی۔ تو اس کو ہوش آیا کہ واقعتاً ہمارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے چنانچہ اب مغربی ممالک میں بعض کی رائے آج کی مغرب پسند خواتین اور مغربی تہذیب کے دلدادہ چہروں پر ایک طمانچہ ہے لیکن ہمارے مغرب زدہ طبقہ کو ابھی تک ہوش نہیں آیا۔

کتاب المعارف — ابن قتیبہ — ترجمہ: سلام اللہ صدیقی — پاک اکیڈمی آرام باغ کراچی

ڈاکٹر محمد حنیف

اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور

حضرت شیخ سعدی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کے دیگر ممالک کی طرح اس خطۂ ارض میں بھی دینِ اسلام کی اشاعت و حفاظت کا سہرا علماء و مشائخ کرام کے سر ہے کیونکہ ہر دور میں مذہب و سیاست دونوں میں قیادت انہی حضرات نے فراہم کی، خصوصاً طریقۂ عَلیۂ نقشبندیہ کے مشائخ نے یہاں نہایت اہم اور گرانقدر خدمات انجام دیں۔

اس طریقہ کے بانی حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ (المتوفی ۷۹۱ھ، ۱۳۸۸ء) اگرچہ بخارا میں مقیم تھے مگر وہیں سے اپنے مریدین و متوسلین کے ذریعے ہر جگہ علم و عرفان کی ضیاء پاشی کرتے رہے۔ جہاں تک برصغیر کا تعلق ہے تو یہاں خواجہ باقی باللہؒ (المتوفی ۱۰۱۲ھ۔ ۱۶۰۳ء) نے اِس سلسلے کی بنیاد رکھی اور آپ کے بعد آپ کے بیشمار بالواسطہ اور بلاواسطہ مریدین نے اس طریقہ کو بہت مقبول عام بنایا۔

تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ جب بھی یہاں پر خدمت اسلام کی کوئی تحریک اُٹھی تو اس کی پشت پر انہی گدڑی پوش، بوریا نشین حضرات کا سوزِ دروں کارفرما رہا اور جب کبھی گلشنِ اسلام کو تاراج کرنے کی کوئی کوشش کی گئی تو یہی بندگانِ خدا سینہ سپر ہو کر میدان میں کود پڑے۔

اکبر کے دور میں جب الحاد و لادینیت کا سیلاب اُمنڈ آیا تو اس کا رُخ پھیرنے کیلئے حضرت خواجہ

بلند عزم و استقلال کا پہاڑ بن کر سامنے آئے اور دربارِ اکبری کے لادینی رجحانات کے خلاف دیندار علماء کا ایسا مضبوط محاذ قائم کیا جس کے سامنے اکبر کے ملحدانہ نظریات کا فروغ ناممکن ہوگیا۔ حضرت خواجہؒ موصوف کے بعد ان کے فیض یافتہ مرید حضرت مجدد الف ثانیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ - ۱۶۲۴ء) تلوارِ آبدار بن کر ایسے چمکے جس کے آب و تاب کے سامنے معاندینِ اسلام کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ آپ نے اکبر کے خود ساختہ دین کی بنیاد پر ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھر کر رہ گئیں۔ حضرت مجددؒ کے بعد ان کے خلیفہ حضرت سید آدم بنوریؒ (المتوفی ۱۰۵۳ھ - ۱۶۴۱ء) آگے بڑھے۔ ارشاد و ہدایت کا مسند بچھایا اور ایسے ہزارہا مرید و عقیدت مند پیدا کئے جنھوں نے ملک کے گوشے گوشے میں رشد و ہدایت کے چراغ روشن کئے اور نہایت پامردی سے دین اسلام کی اشاعت و حفاظت میں مصروف رہے[1]۔ اِن حضرات میں سے ایک حضرت شیخ سعدی لاہوریؒ کی ذات گرامی ہیں جنھیں حضرت سید آدم بنوریؒ کے خلفاء میں نہایت اہم اور نمایاں مقام حاصل ہے۔

آپ کا نام سعدی، کنیت ابوعلی اور والد بزرگوار کا نام ابدال ہے۔ ۱۰۳۳ھ - ۱۶۲۳ء میں گوجرانوالہ کے شہر ایمن آباد کے قریب "ادی" کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی وطن پنجاب اور آبائی پیشہ کاشتکاری تھا[2]۔ آپ کے والد ماجد کا بیان ہے کہ:

"میں بہت دولتمند تھا مگر چونکہ گھر میں نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے ذہنی سکون سے محروم تھا۔ میں اس سلسلے میں اکثر علماء و فقراء سے دعا کی درخواست کیا کرتا تھا ایک دن ایک صاحبِ کمال درویش آیا میں اُس کو پورے احترام سے اپنے گھر لے گیا حتی المقدور اس کی مہمانداری کے حقوق ادا کئے اور جب وہ جانے لگا تو اس سے بیٹے کیلئے دعا کی التجا کی فوراً اس بزرگ کے چہرے پر مسرت و بشاشت کے آثار نمودار ہوئے اور بشارت دی کہ خداوند تعالیٰ تجھے ایک باکمال اور سعادت مند فرزند عطا کریگا۔ وہ علم، حلم،

---

[1] ملاحظہ ہوں: ماہنامہ الرّشید (دارالعلوم دیوبند نمبر) فروری۔ مارچ ۱۹۷۶ء مقالہ تحفظ و احیائے اسلام کی عالمگیر تحریک از حضرت مولانا مفتی محمودؒ ص ۴۵۸ - ۴۶۹؛ رود کوثر از شیخ محمد اکرام، طبع ثانی ص ۱۲۶ - ۱۲۷؛ پولیٹیکل لیڈر شپ امنگ سوات پٹھانز (انگریزی) پی ایچ ڈی مقالہ از فریڈرک بارتھ، لندن ۷۲-۱۹۷۰ء؛ [2] ظواہر السرائر (قلمی - فارسی) از میاں محمد عمر چمکنیؒ ۱۱۱۲ھ اورنٹل لائبریری پنجاب یونیورسٹی لاہور ص ۱۲۳۔

حیا، سخاوت، تقویٰ، شجاعت، عدل، صبر، اور یقین کے اوصاف سے متصف ہوگا۔ اللہ کا منظورِ نظر اور دُنیا والوں کا رہبر و رہنما ہوگا۔ طہارت و صفائی، محبت و شوق اور رضا و تسلیم کی صفات اس پر غالب ہوں گی۔ مشرق و مغرب اس کے نورارشاد سے منور ہو جائیں گے۔ اس کی ذات اہلِ جہان کیلئے غنیمت ہوگی، اس فرزند کا نام "محمد صادق" یا "سعدی" رکھنا اور اس سے محبت رکھنا کیونکہ وہ درگاہِ الٰہی میں مقبول و برگزیدہ ہوگا۔[۱]

کہتے ہیں کہ جب سعدیؒ حکمِ ایزدی سے ماں کے پیٹ میں قرار پائے اور ابھی چند ماہ کے تھے کہ ایک اور صاحبِ حال درویش آیا اس کو بھی اپنے ہاں ٹھہرایا اور بیٹے کیلئے دعا کی درخواست کی وہ فقیر میری درخواست سُن کر بہت خوش ہوا اور مُبارکباد دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"مبارک ہو تیرے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا کہ کفر و شرک کے آثار کو مِٹانے والا ہوگا۔ اور اگرچہ بظاہر ایک انسان ہوگا مگر اسرار و معانی کی عظمت کے لحاظ سے درحقیقت ایک پورا عالم ہوگا۔ شاہانِ عالمِ حقیقت اور اساطینِ اربابِ طریقت میں سے ہوگا۔ منازلِ صفا کو وفا کے قدموں سے سر کرے گا، نصائح کے تیشہ سے اہلِ جفا کے نفوس کی اراضی سے شقاوت کا کانٹ نکال لے گا، عاصیانِ دنیا کو شقاوت و بدبختی کے گڑھوں کی گہرائیوں سے نکال باہر کرے گا، اور اس کا فیض راہِ سلوک کے مہجورانِ قاصر کو سعادت کے درجۂ کمال پر پہنچائے گا اپنے دور میں مجددین کا سربراہ ہوگا اور اس کی سعادت مندی کا آفتاب ساری دُنیا میں چمکے گا۔ اس فرزندِ ارجمند کا نام "سعدیؒ" رکھنا"۔[۲]

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے! ان دو درویشوں کی پیش گوئی، جو از روئے مکاشفہ تھی سچ ثابت ہوئی، ابتدا سے سعادت کے آثار آپ پر نمودار تھے، چنانچہ زمانۂ طفولیت ہی سے تنہائی پسند واقع ہوئے اور ایمن آباد کے قریب ایک جنگل میں جاکر ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے۔[۳]

حضرت سید آدم بنوریؒ کے ساتھ پہلی ملاقات : حضرت سعدیؒ کا بیان ہے کہ:

---

[۱] ظواہر السرائر ص ۱۶۲ تا ۱۶۸ سے ملخصاً ماخوذ ہے۔ [۲] ظواہر السرائر ص ۱۶۲ تا ۱۶۸ سے ملخصاً ماخوذ ہے۔ [۳] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ظواہر السرائر (قلمی) ص ۱۶۸ تا ۱۷۵ کتب خانہ کرنل سید سلطان علی (ریٹائرڈ) کوہاٹ چھاؤنی۔

"میں آٹھ یا نو برس کا تھا کہ ایک روز جنگل سے باہر آکر ایک کنوئیں کے کنارے وضو کرنے لگا۔ اتنے میں مولانا سعد اللہ وزیر آبادیؒ کا وہاں سے گزر ہوا، مجھے دیکھ کر اپنے احباب و رفقاء سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

"اس کم عمری میں یہ بچہ کتنی احتیاط کے ساتھ وضو کرتا ہے"

اس کے بعد استفسار کرتے ہوئے فرمایا۔ یہیں رہتے ہو؟ میں نے جواب دیا۔ ہاں۔ اس سوال و جواب کے بعد آپ چل پڑے۔ میں نے آپ کے ہمرکاب فقراء سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ سعد اللہ وزیر آبادی ہیں اور اپنے پیر کے پاس بنور جاتے ہیں۔ بنور کا نام پہلے سے میرے ذہن میں موجود تھا۔ چند دن بعد جذبۂ شوق الٰہی اور محبت باطنی کا مجھ پر غلبہ ہوا لہٰذا بنور کی جانب روانہ ہوا۔ دریائے لدھیانہ کے قریب حضرت سعد اللہ وزیر آبادیؒ کی جماعت سے جا ملا۔ بنور پہنچ کر حضرت سید آدم بنوریؒ کیساتھ ملاقات ہوئی۔ انہوں نے حضرت سعد اللہؒ سے ہر فقیر کے متعلق علیحدہ علیحدہ دریافت کیا۔ آخر میں میری باری آئی۔ پوچھا۔ یہ لڑکا کون ہے؟ مولانا سعد اللہؒ نے جواب دیا۔ یہ لڑکا بھی ہمارے ساتھ آیا ہے۔ عجیب و غریب احوال و معاش کا مالک ہے۔ دوران سفر نہ تو کھانے پینے کی طرف رغبت ظاہر کی نہ فقراء کے ساتھ میل جول رکھا اور ہمہ وقت ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے۔ یہ سن کر حضرت سید آدم بنوریؒ فرمانے لگے:

"مگوئید کہ این پسر ہمراہ من آمدہ است بلکہ گوئید کہ ما ہمراہ این پسر آمدہ ایم و این پسر سعادت مند ازلیست و مقبول لم یزلی اگر بروز حشر و نشر حق سبحانہ شمارا بخشد بطفیل این خواہد بود کہ چنین مردی بر رفاقت شما در یجا رسیدہ است"[1]	"یہ مت کہو کہ یہ بچہ ہمارے ساتھ آیا ہے بلکہ کہو کہ ہم اس بچے کے ہمراہ آئے ہیں یہ بچہ ازلی نیک بخت، اور خداوند لم یزل کا مقبول ہے اگر قیامت کے دن خدا تم کو بخش دے تو اس بچے کے طفیل سے بخشے گا کہ ایسا آدمی تمہاری رفاقت میں یہاں آیا ہے"

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت سید آدم بنوریؒ نے مجھے بلا کر پوچھا کہ کیا نام ہے؟ میں

---

[1] ظواہر السرائر ص ۲۴۰ اورینٹل لائبریری پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

نے کہا۔ سعدی۔ یہ سُن کر مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا: "جہاں کہیں بھی رہو اور جہاں بھی جاؤ تم سعادت مند ہو"۔ اور تین بار فرمایا: "تم نیک بخت ہو، تم نیک بخت ہو، تم نیک بخت ہو"۔

فرماتے ہیں کہ اس گفتگو کے بعد حضرت آدم بنوریؒ نے میرے ساتھ نہایت محبت و شفقت کا اظہار کیا ذکر باطنی کی نعمتِ عظمیٰ سے بہرہ مند فرمایا اور اپنے حرم محترم میں لیجا کر ان سے کہنے لگے کہ:

"امروز کودک خورد سال، صالح سعادت مند ازلی رسیدہ است کہ بہ غایت نیکو می نماید و درین اوان طفولیت وخورد سالی بہ صحبت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مشرف ومعزز ومکرم است و حضرت فاطمۃ الزہراؓ وی را بہ فرزندی قبول کردہ است"۔ [۱]

"آج ایک صالح، ازلی نیک بخت بچہ، یہاں پہنچا ہے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اور اسی زمانۂ طفولیت ہی میں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہے اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے اس کو اپنی فرزندی میں قبول کیا ہے"۔

حضرت اسد اللہ لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری:

آپ جب سنِ بلوغ کو پہنچے تو حضرت اسد اللہ لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اسد اللہؒ فرماتے ہیں کہ "میں نے جب اس کو طریقہ کی تلقین کی تو وہ بے شعور ہو کر چند روز تک استغراق میں مست پڑے رہے۔ میں اس پر متصرف ہونے سے قاصر ہوا تو ان کو ساتھ لیکر حضرت سید آدم بنوری کی خدمت میں حاضر ہوا"۔ حضرت سید آدم بنوری نے دیکھ کر فرمایا:۔

"یا اسد اللہ! در یارانِ تو این پسر خوب صاحب استعداد است و تربیت او بر ما است"۔ [۲]

"اے اسد اللہ! تیرے دوستوں میں یہ بچہ بہت صاحب استعداد ہے اور اس کی تربیت ہمارے ذمے ہے"۔

آپ اسی دن سے حضرت سید آدم بنوریؒ کی تربیت میں آئے اور ان کے علم وعرفان سے مستفیض ہو کر روز بروز ترقی کرتے رہے۔ حضرت اسد اللہؒ کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت آدم بنوریؒ نے آپ کو

---

[۱] ظواہر السرائر (اورینٹل لائبریری، لاہور) ص ۲۴۰۔ [۲] نتائج الحرمین (قلمی۔ فارسی) از مولانا محمد امین بدخشیؒ کتب خانہ مولانا فضل صمدانی مرحوم، بھانہ ماڑی پشاور شہر ورق ۱۹۹۔ ۲۰۳۔ حضرت اسد اللہ لاہوریؒ کے حالات کیلئے نتائج الحرمین ملاحظہ ہو۔

مخاطب ہو کر فرمایا:

"برب المعبود جل سلطانہٗ قسم است کہ اللہ تعالیٰ بہ ارادہ ازلی استعداد ترا چنیں آفریدہ است و خلقت تو چنان خلقت کردہ است کہ خود بخود کار تو جاری است و ہیچ موقوف بہ تلقین و تربیت من نیست۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم" ؎۱

"خدا کی قسم۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ ازلی سے تیری استعداد ایسی پیدا فرمائی ہے اور تیری فطرت ایسی پیدا کی ہے کہ تیرا کام خود بخود رواں دواں ہے اور میری تلقین و تربیت پر موقوف نہیں۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ ذو الفضل العظیم"

حضرت سید آدم بنوریؒ کے دستِ حق پر بیعت:

حضرت سعدی لاہوریؒ مادر زاد ولی اللہ تھے ؎۲ مگر چونکہ راہِ سلوک کی جادہ پیمائی میں رہبرِ کامل کا ہونا ضروری ہے لہٰذا آپ نے خلیفۃ الزماں حضرت سید آدم بنوریؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ:

"فقیر مادر زادم اما چوں درین راہ پیر ناگزیر است لہٰذا بردست پیرِ کامل بیعت

"فقیر مادر زاد ولی ہے.... مگر چونکہ اس راہ میں پیر کا ہونا ضروری ہے پس پیر کامل کے

؎۱ ظواہر السرائر (کتب خانہ کوہاٹ) ص ۱۸۵۔ ؎۲ وہ بزرگ جن میں پیدائش اور بچپن ہی سے قربِ خداوندی کی کامل استعداد اور ولایت کے آثار نمایاں ہوں اور جو بعد میں مراتب سلوک طے کر کے اولیائے کامل بن جاتے ہیں ایسے اولیاء اصطلاح تصوف میں "مادر زاد اولیاء" کہلاتے ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد۔ وآتیناہ الحکم صبیاً (یعنی ہم نے ان (حضرت یحییٰ علیہ السلام) کو دین کی سمجھ عطا کی۔ میں اس قول کی اصل ہے جو اکثر لوگوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے کہ فلاں شخص مادر زاد ولی ہے۔ (بیان القرآن، سورۃ مریم آیت ۱۲)

کردم کہ جامع مقامات حضرت بزرگ خوداست"۔

ہاتھ پر بیعت کی کہ وہ جامع مقامات حضرت بزرگ خود (سید آدم بنوریؒ) ہیں"۔

آپ کا شمار حضرت سید آدم بنوریؒ کے جلیل القدر خلفاء میں ہوتا ہے اور اُن کے مریدین میں آپ کو نہایت نمایاں مقام حاصل تھا۔ حضرت سید محمد قطبؒ (لہ) فرماتے ہیں کہ :۔

"نسبتِ حضرت ایشان چون ماہ شب چہاردہ کہ نوری وی محیط تمام عالم بود و نسبت ہای دیگر اصحاب وخلفاء حضرت بزرگ خود در جناب آنحضرت چوں ستارہ کان می درخشد و می تابند"۔ لہ

حضرت ایشان (سعدیؒ) کی نسبت چودھویں چاند کی مانند روشن تمام عالم پر اس کی روشنی تمام عالم پر اس کی روشنی محیط تھی اور حضرت سید آدم بنوریؒ کے دوسرے اصحاب وخلفاء آپ کے گرد ستاروں کی طرح چمکتے تھے۔

اوست خورشید عزت و خوبی

برگزیدش خدا بہ محبوبی سے

حضرت سید آدم بنوریؒ آپ کے ساتھ انتہائی پیار و محبت سے پیش آتے آپ کے ساتھ قرب و محبت کا یہ حال تھا کہ اپنے اہلِ حرم کو آپ سے پردہ نہ کرنے کی ہدایت فرمائی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ :

"سعدی فرزند معنوی من است چنانچہ از فرزندان صلبی من شمار احجاب نیست، ہمچنیں ازیں فرزند ہم نہ شاید"۔ کہ

"سعدی میرا فرزند معنوی ہے جیسا کہ تم کو میرے صلبی بیٹوں سے پردہ نہیں اسی طرح اس بیٹے سے بھی پردہ نہیں چاہیئے"۔

لہ سید محمد قطبؒ، حضرت سید آدم بنوریؒ کے فرزند اکبر سید خواجہ محمدؒ کے بیٹے تھے اور حضرت شیخ سعدی لاہوریؒ کے مرید تھے ۱۰۵۲ھ۔ ۱۶۴۲ء میں بنور کے مقام پر پیدا ہوئے اور ۱۱۰۸ھ۔ ۱۶۹۶ء میں متہ مغل خیل (پشاور) میں وفات پائی۔ بنور میں آپ کا مزار واقع ہے (ملاحظہ ہو ظواہر السرائر (کتب خانہ پنجاب یونیورسٹی لاہور) ص ۵۲۹ ۔ ۵۵۱ ، کہ ظواہر السرائر (لاہور) ص ۵۳۹۔
سے حضرت میاں محمد عمر چمکنیؒ کا شعر حضرت سعدیؒ کی شان میں، کہ ظواہر السرائر (لاہور) ص ۲۴۱ ۔

۱۰۵۲ھ - ۱۶۴۲ء میں مجاز و مرخص ہوئے اور حضرت سید آدم بنوریؒ نے سفرِ حج پر روانہ ہونے

سے پہلے لاہور میں آپ کو کلاہِ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ [1]

زیارتِ حرمین شریفین :

پہلی بار ۵۳ - ۱۰۵۲ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل کی لیکن اس سال چونکہ

ایامِ حج میں نہ پہنچ سکے تھے لہٰذا ۱۰۷۶ھ - ۱۶۶۵ء میں پہلی بار فریضۂ حج ادا کیا۔

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں کہ شوال ۱۰۵۳ھ میں وفات کے وقت میں موجود تھا آخری وقت میں

مجھے بُلا کر بیحد مہربانی کی اور اسمِ اعظم عطا فرمایا۔ [2]

حضرت سید آدم بنوریؒ کی وفات (جمعہ ۱۳ ر شوال ۱۰۵۳ھ - ۱۶۴۳ء) کے بعد آپ لاہور آئے اور

اسی سال مولانا یار محمد لاہوریؒ کی صاحبزادی کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ [3]

وفات :

۲ ر ربیع الثانی بدھ کے دن ۱۱۰۸ھ - ۱۶۹۶ء کو مسلسل ۵۵ برس تک اللہ اور اس کے دین کے

لئے جان کھپانے والی یہ بابرکت ہستی دارِ فانی سے دارِ جاودانی کی طرف رحلت کر گئی۔ [4] انا للہ

وانا الیہ راجعون۔

ایں باغ بے خزاں نہ بود رخت بست و رفت

دیدی کہ طرہ در چمن عرشیاں شکست

از بسکہ بود منتظر ش حق بمحض لطف

اوہم ز شوق پردۂ حد از میاں شکست [5]

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی، نہایت خاکسار، متواضع اور فقیر منش بزرگ تھے فخر و مباہات

اور نام و نمود کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اپنے احباب و رفقاء کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ :

---

[1] ظواہر السرائر (کوہاٹ)، ص ۲۰۲ - ۲۰۳ - [2] ظواہر السرائر (کوہاٹ)، ص ۲۱۱ - ۲۱۲ -

[3] ظواہر السرائر (کوہاٹ)، ص ۲۱۲ - ۲۱۳ - [4] ظواہر السرائر (لاہور) ص ۲۷۲ -

[5] ظواہر السرائر (کوہاٹ)، ص ۲۸، (حضرت میاں صاحب چمکنی کے چند اشعار حضرت سعدی کی وفات کے موقع پر)

"اگر مارا بعد از ما یاد کنید مگوئید کہ قطب بود یا غوث یا امام و خلیفہ بودہ گوئید فقیر بودہ و بندہ بودہ از بندگان خدائے تعالیٰ کہ خدارا یاد می کرد و اگر چیزی بریں زیادہ کنید گوئید کہ بندہ بود از بندگان خدائی تعالیٰ کہ خدارا یاد می کرد و ہر کہ برائے طلب حق پیش وی آمد او را بہ خدائے تعالیٰ آشناس کرد۔" [1]

"اگر مجھ کو میرے بعد تم یاد کرو تو یہ نہ کہا کرو کہ قطب تھا یا غوث یا امام و خلیفہ تھا بلکہ کہو کہ خدا کے بندوں میں ایک بندہ تھا جو خدا کو یاد کیا کرتا تھا اور اگر اس پر کچھ اضافہ کرنا چاہو تو کہو کہ خدا کا ایک بندہ تھا جو خدا کو یاد کیا کرتا تھا اور جو کوئی طلب حق کی خاطر اس کے پاس آتا تو اسے خدا سے روشناس کراتا تھا۔

اس شان فقیری کے باوجود نہایت بارعب اور پُروقار شخصیت کے مالک تھے خدائے ذوالجلال نے شاہانہ جاہ و جلال سے نوازا تھا آپ کی مجالس میں ہر وقت سنجیدگی اور وقار کا سماں رہتا اور آپکے روبرو کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوتی تھی۔ [2]

خودداری اور شان استغناء:

آپ نہایت مستغنی الطبع اور خوددار بزرگ تھے کوئی دُنیاوی مقصد لیکر شاہانِ زمانہ بھی آپ کے پاس آتے تو آپ ان کے ساتھ ملاقات کرنے سے حتی الوسع احتراز فرماتے۔ سلطان محمد معظم جب اپنے باپ اورنگ زیب عالمگیر کی قید سے رہا ہوکر لاہور آیا تو قاصد بھیجکر آپ سے مُلاقات کی درخواست کی آپ نے کہلا بھیجا کہ:

"دیدن فقرا محض برائے خدمت متضمن منافع دینی و دنیوی است اگر چنیں بہ خاطر است باک نہ دارد و اگر غرض آلود باشد و استدعا سلطنت و دیگر مطالب دنیوی درمیان آرد آمدن وی را نمی خواھیم۔" [3]

"فقراء کے ساتھ ملاقات صرف خدمت و عقیدت کے خیال بہت سے دینی اور دُنیوی منافع پر مشتمل ہوتی ہے اگر یہی ارادہ ہے تو ملاقات میں کوئی حرج نہیں اور اگر خود غرضی پر مبنی ہے اور سلطنت اور دوسرے دنیاوی مطالب درمیان میں لانا چاہے تو اس کی یہاں آمد نہیں چاہتا۔"

---

[1] ظواہر السرائر (کوہاٹ) ص ۲۶۲ [2] ظواہر السرائر (لاہور) ص ۶۰۶ - ۶۰۷ [3] ظواہر السرائر (کوہاٹ) ص ۲۶۹

اسی طرح ایک بار خود سلطان محمد اورنگ زیب ملاقات کی نیت سے آئے تو آپ نے یہ کہکر ان کو ٹال دیا کہ:

"دیدن یکدیگر خالی از وجوہ نیست غرض اگر استدعا رہست ما بہ ایں ماموریم کہ پیوستہ شمارا دُعا می کنیم احتیاج آمدن و دیدن و گفتن نیست۔" [۱]

"ایکدوسرے کے ساتھ ملاقات چند وجوہ سے خالی نہیں اگر طلبِ دعا کی خاطر ہے تو ہم اس بات پر مامور ہیں کہ مسلسل تمھیں دُعا دیتے رہیں (لہٰذا) یہاں آنے، ملاقات کرنے اور دُعا کیلئے کہنے کی کوئی حاجت نہیں۔"

خلفاء و مریدین:

آپ کے خلفاء و مریدین بیشمار تھے خود اس بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:

"مریدین ما مانند ستارہ ہائے آسمان از حیطۂ شمار خارج اند و منجملہ آنہا بہ تکمیل کمال بہ رتبۂ اجازت وارشاد رسیدند۔" [۲]

"ہمارے مرید آسمان کے ستاروں کی طرح بیشمار ہیں اور ان میں سے بہت سے درجہ کمال حاصل کرکے اجازت وارشاد کا مرتبہ حاصل کرچکے ہیں۔"

دینی خدمات:

آپ کی پوری زندگی خدا کے دین کی خدمت کیلئے وقف رہی۔ آپ کی دینی خدمات کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ نے اپنے انوار و فیوضات سے نہ صرف سرزمینِ پنجاب کو منور کیا بلکہ صوبۂ سرحد اور ملحقہ قبائلی علاقہ جات پر بھی ضیاء پاشی کرتے رہے۔

آپ نے حضرت شیخ محمد یحییٰؒ اور حضرت میاں محمد عمر چمکنیؒ جیسے نامور مرید پیدا کئے جن کی ان تھک مخلصانہ جدوجہد کی بدولت اِس خطۂ ارض میں اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کو زبردست تقویت ملی اور طریقۂ نقشبندیہ کو فروغ حاصل ہوا۔

مزار:

آپ کا مزار لاہور میں علاقۂ مزنگ میں واقع ہے اور جس احاطہ میں آپ کی قبر موجود ہے وہ مقام آپ کے نام کی مناسبت سے "سعدی پارک" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

---

[۱] ظہور السرائر (کوہاٹ) ص ۲۶۹ [۲] خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور لاہوری ج ۱ ص ۶۵۲

اولاد:

حضرت سعدی لاہوریؒ کے چار صاحبزادے تھے اور ان میں سے ہر ایک زہد و تقویٰ اور علم و عمل کے زیور سے آراستہ تھا۔ مفتی غلام سرور لاہوری کہتے ہیں کہ:

"ہر چہار ستون دین متین بودند و بدستگیری پدر عالی قدر آنچناں بہ کمالات ظاہری و باطنی رسیدند کہ از ہمہ مشائخ متأخرین گوئے سبقت بردند۔" [۱]

(آپ کے) چاروں (صاحبزادے) دین متین کے ستون تھے اور اپنے پدرِ عالی قدر کے طفیل ایسے ظاہری اور باطنی کمالات حاصل کئے کہ تمام متأخرین مشائخ پر سبقت لے گئے۔

ہر ایک کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے:

خواجہ محمد سلیمؒ:

فرزندِ اکبر کا نام محمد سلیمؒ تھا۔ جملہ انسانی کمالات سے متصف اور تمام امور میں اپنے والد بزرگوار کے نقشِ قدم پر گامزن تھے۔ حافظِ قرآن تھے اور قرآن کریم کی تلاوت پر بیحد مواظبت کی وجہ سے خواب و بیداری دونوں حالتوں میں کلام ربانی بے اختیار ان کی زبان پر جاری رہتا تھا۔ [۲]

خواجہ محمد عیسیٰؒ:

محمد عیسیٰؒ، حضرت سعدیؒ کے چہیتے فرزند تھے۔ بہادر شاہ معظم کا زمانہ تھا۔ زندگی کے آخری ایام میں حضرت سعدیؒ نے ان کو مجاز و مرخص کرکے اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ حضرت شیخ محمد یحییٰؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

"خدمت خواجہ شیری است در بیشۂ توکل و رضا و پادشاہ است امروز برجائے حضرت ایشان است و در ہر لحظہ از آنحضرت بہ کمالے سرفراز و بہ صفتے ممتاز می شود و سرمو از پیروی و بیعت آنحضرت دور نیست۔" [۳]

"جناب خواجہ (محمد عیسیٰؒ) توکل و رضا کے جنگل کے شیر ہیں اور سلطنت طریقت کے بادشاہ، آج اپنے والد بزرگوار کے قائم مقام ہیں اور ہر لحظہ آنحضرت (سعدیؒ) سے کسی نہ کسی کمال اور کسی نہ کسی صفت سے سرفراز ہوتے رہے ہیں اور بال برابر آنحضرت (سعدیؒ)

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۶۵۲، لاہور میں اولیائے نقشبند کی سرگرمیاں، از محمد کلیم ص ۱۳۱-۱۳۲

[۲] ظواہر السرائر (لاہور) ص ۵۱۴ و [۳] ظواہر السرائر (لاہور) ص ۵۲۵-۵۲۷

کی پیروی سے باہر نہیں۔"

آپ کے دو صاحبزادے تھے ایک کا نام خواجہ غلام محمد تھا اور دوسرے خواجہ محمد صادق کے نام سے موسوم تھے۔

خواجہ محمد یوسفؒ : خواجہ محمد یوسف بڑے عالم و فاضل، عابد و زاہد، اور مرتاض صوفی تھے اور شب بیداری، ذکر وقوف قلبی، اور ذکر وقوف عددی کا بیحد اہتمام فرماتے تھے۔

خواجہ محمد عارفؒ :

آپ کے فرزند اصغر کا نام محمد عارفؒ تھا۔ حضرت سعدیؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

"عارف اسم بامسمّٰی است عارف سلطان العارفین خواہد شد عارف نتیجہ آخر وقت ما است و متضمن بسے کمالات است و صاحب مناصب علیا خواہد شد"۔ [1]	"عارف اسم بامسمّٰی ہے عارف سلطان العارفین ہو جائے گا عارف ہمارے آخری وقت کا نتیجہ اور بہت سے کمالات کا حامل ہے اور بلند مناصب پر فائز ہو جائیگا۔"

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

---

[1] ظواہر السرائر (لاہور) ص ۵۲۵ - ۵۲۷ -

بقیہ :- بے جا غصّہ

(۵) ایک صاحب کے غصہ کا علاج کا مجرب نسخہ دریافت کرنے پر جواب میں ارقام فرمایا کہ جس پر غصہ کیا جاوے بعد غصہ فرو ہو جانے کے مجمع میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑیئے پاؤں پکڑیئے بلکہ اس کے جوتے اپنے سر پر رکھیئے ایک دو بار ایسا کرنے سے نفس کو عقل آ جائے گی۔

(تربیت السالک ج ۱ ص ۲۴۲ مطبوعہ کراچی)

تعارف و تبصرے

تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدوں کا آنا ضروری ہے۔

نام کتاب: **قرآنی معلومات** مرتب: حضرت مولینا حافظ نذیر احمد صاحب کرنالوی

کل صفحات: ٩٦ سائز: ٢٠×٣٠/١٦ قیمت: ساڑھے سات روپے

ناشر: مدرسہ خلیلیہ۔ کوارٹر A-٨٤ کورنگی ٹاؤن شپ کراچی ٣١

قرآن مجید خداوند عالم، خالقِ لوح و قلم کا کلام ہے۔ اس کتاب کی تلاوت سعادتِ ابدی کا باعث اور نجاتِ اخروی کا بڑا ذریعہ ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کے لئے کچھ آداب و شرائط کا جاننا ضروری ہے، تاکہ ثواب میں پورا پورا حصہ ملے۔ زیرِ تبصرہ کتاب قرآن مجید سے متعلق بنیادی معلومات پر مشتمل ہے مثلاً فضیلتِ قرآنِ مجید، آدابِ تلاوت، قرآن مجید کے پاروں کی تعداد، سورتوں کی تعداد، رموز و اوقاف، سجود تلاوت اور ان کی ادائیگی کا طریقہ، ختمِ قرآن کی مختصر دعا، وحی اور اس کی عظمت، حروف قرآن مجید، قرآن مجید کے پاروں کے نام، سورتوں کے نام، قرآن کریم کی منزلیں، قرآن مجید کے نام، انبیاء علیہم السلام کے نام، جنت کے مختلف نام، دوزخ کے مختلف نام، فرشتوں کے نام، کاتبانِ وحی، قرآن مجید کی بابت مختلف معلومات، قرات کے امام اور اُن کے تلامذہ، مشہور مفسرین، مقدس شہروں کی بابت بنیادی معلومات، مشہور انبیاء کے حالات، قرآنی دُعائیں، قرآنی تعلیمات جیسے عنوانات کو بہت آسان انداز میں درج کیا گیا ہے، ہر مسلمان کے مطالعہ کے لئے بہت ضروری اور بنیادی کتاب ہے۔ آفسٹ کی

طباعت، ٹائٹل خوب صورت اور دلکش، خط صاف اور واضح۔

یہ کتاب حافظ محمد عبدالرشید صاحب کے پتے سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

پتہ :۔ مدرسہ خلیلیہ کوارٹر ۸۴-اے، کورنگی ٹاؤن شپ۔ کورنگی مارکیٹ ۲ ۔ کراچی ۳۱

(ا۔ا۔خ۔س)

نام کتاب: **اسلام کا نظام زکوٰۃ** مؤلف : مولانا اشرف علی قریشی

سائز: $\frac{18 \times 23}{8}$ کل صفحات : ۸۸ قیمت : -/۵ روپے

ملنے کا پتہ :۔ جامعہ اشرفیہ۔ چارسدہ روڈ۔ پشاور۔

اسلام ایک کامل اور مکمل دین ہے۔ اسلام نے انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کی ہے۔ ارکانِ اسلام میں زکوٰۃ ایک اہم رکن ہے۔ قرآن شریف میں بیاسی جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ اس سے زکوٰۃ کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔ بہت سے مسلمان مسائل زکوٰۃ سے ناواقفیت کے سبب حق داران تک نہیں پہنچاتے اور غلط مصرف میں خرچ کرکے سمجھتے ہیں کہ ہم نے زکوٰۃ ادا کردی۔ حالانکہ زکوٰۃ کی بابت جب قرآن کریم میں بار بار تاکید کی گئی ہے تو اس کا تقاضہ ہے کہ صحیح اور مناسب طریقے پر زکوٰۃ ادا کی جائے۔

مولانا اشرف علی قریشی صاحب مدیر صدائے اسلام پشاور نے زکوٰۃ کے احکام، مسائل اور فضائل کو قرآن، حدیث اور فقہ کی مستند کتابوں سے اخذ کرکے کتابی شکل میں شائع فرمادیا ہے اس طرح یہ کتاب صرف عوام کے لئے بلکہ علماء کرام کے لئے بھی مفید تر بن گئی ہے۔ زبان عام فہم استعمال کی گئی ہے تاکہ مسائل کا سمجھنا آسان ہوجائے۔ سفید کاغذ، لکھائی، چھپائی بہتر ہونیکے باوجود قیمت مناسب ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف اور ناشر کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو مسلمانوں کی اصلاح و ہدایت کا ذریعہ بنائے آمین۔

(ا۔ا۔خ۔س)

نام کتاب: **مغفرت کاملہ** مرتبہ: محمد افضل صاحب

سائز: $\frac{18 \times 23}{8}$ کل صفحات : ۹۶ قیمت : -/۱۲ روپے

ناشر :۔ کتب خانہ مظہری۔ گلشن اقبال۔ پوسٹ بکس ۱۱۱۸۲ ۔ کراچی۔

محمد افضل صاحب مدظلہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ، اور حضرت مولانا شاہ محمد ابرار الحق صاحب مدظلہ کے مجاز بیعت ہیں۔ آپنے چہل احادیث کا انتخاب فرمایا ہے۔ حدیثیں ایسی منتخب کی ہیں جن میں ایسے اعمال و اذکار کا بیان ہے جن پر مغفرت اور بخشش کی بشارت دی گئی ہے۔ آپنے اکثر احادیث حصن حصین سے اور بعض حضرت مولانا شاہ محمد بدر عالم مہاجر مدنیؒ کی تالیف ترجمان السنۃ سے لی ہیں۔ اور انکی

تشریح و توضیح میں کہیں ترجمان السنۃ کی عبارت نقل فرمائی ہے اور اکثر تشریحات اپنے شیخ عالی مقام کی عارفانہ عبارات کے ذریعہ فراہم کی ہیں۔ زیر تبصرہ رسالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ زبان آسان اور دلنشین ہے۔ ہر شخص کے لئے یہ مجموعہ بہت ہی مفید اور نافع ہے۔ اس کتاب میں بہت آسان اوراد کے ذریعہ مغفرت الٰہیہ کے قیمتی خزانے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ یہ تحفہ مسلمان کے مطالعہ میں آنا چاہیئے۔ کتابت و طباعت عمدہ، کاغذ سفید اور سرورق خوبصورت ہے۔ قیمت کم ہوتی تو اچھا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین۔

(ا۔ا۔خ۔س)

نام کتاب: **الخطاب الاول الی القادیانیہ** مؤلف: عبدالرحیم اشرف

سائز: ۱۸×۲۳ کل صفحات: ۳۶ قیمت: ۳/ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ المنبر۔ پوسٹ بکس نمبر ۶۴۔ فیصل آباد۔

حضور اکرم فخر دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی رسول اور نبی آنے والا نہیں ہے۔ جو کوئی آپؐ کے بعد نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا اور کذاب ہے۔ ایسا شخص اور اس کو کسی حیثیت سے بھی نبی یا رسول ماننے والے کافر و مرتد اور جہنمی ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی نے خدا تعالیٰ کی توہین کی، انبیاء علیہم السلام کی بے حرمتی کی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا انکار کیا اور خود مدعی نبوت بن بیٹھا۔ اور دعویٰ کیا کہ (معاذ اللہ) جو مجھے نبی نہیں مانتا وہ مسلمان ہی نہیں ہے بلکہ کافر ہے۔ حکومت پاکستان نے ان ہرزہ سرائیوں کا نوٹس لیا اور قادیانی جماعت کو کافر قرار دیدیا، اور حقیقت میں یہ جماعت انگریز کی شہ پر وجود میں آئی تھی اور اسی کی حمایت و نصرت سے پروان چڑھی ورنہ یہ جماعت کسی طرح بھی قابل توجہ نہیں ہے۔

ذیل کا رسالہ قادیانیوں کو راہ ہدایت دکھانے کے لئے تحریر کیا گیا ہے اور باحوالہ ہے۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی گئی۔ رسالہ چونکہ اصلاحی مقصد کو پیش نظر رکھ کر تحریر کیا گیا ہے لہٰذا اس میں تحریر کی سلامتی بدرجہ اتم موجود ہے۔ یہ عربی زبان میں تحریر کیا گیا ہے تاکہ دنیا کے دیگر ممالک کے لوگ اس فتنہ انگیز گروہ کی حقیقت سے آگاہ ہوسکیں۔ یہ رسالہ عربی ٹائپ میں سفید کاغذ پر خوبصورت انداز میں طبع ہوا ہے تاکہ ہر شخص اس کے مطالعہ سے فائدہ اٹھائے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف کی اس خدمت کو قبول فرما کر اعلیٰ سے اعلیٰ درجات سے نوازے۔ آمین۔

(ا۔ا۔خ۔س)